ذوالقعدہ ۱۴۳۴ھ

ستمبر ۲۰۱۳ء

ماہنامہ میثاق لاہور

یکے از مطبوعات

تنظیمِ اسلامی

بانی: ڈاکٹر اسرار احمدؒ

اخلاص، خیر خواہی اور وفاداری

”اربعینِ نوویؒ“ کی ایک حدیث کی تفہیم

بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

داعی رجوع الی القرآن، بانی تنظیم اسلامی

محترم ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

کے شہرۂ آفاق دورۂ ترجمہ قرآن پر مشتمل

بیانُ القرآن

ترجمہ و مختصر تفسیر

حصہ اول: سُورۃ الفاتحہ و سُورۃ البقرۃ مع تعارفِ قرآن
(ساتواں ایڈیشن) ——— صفحات: 360، قیمت 450 روپے

حصہ دوم: سُورۃ آلِ عمران تا سُورۃ المائدہ
(پانچواں ایڈیشن) ——— صفحات 321، قیمت 400 روپے

حصہ سوم: سُورۃ الانعام تا سُورۃ التوبہ
(چوتھا ایڈیشن) ——— صفحات 331، قیمت 425 روپے

حصہ چہارم: سُورۃ یُونس تا سُورۃ الکہف
(دوسرا ایڈیشن) ——— صفحات 394، قیمت 450 روپے

حصہ پنجم: سُورۃ مریم تا سُورۃ السجدۃ
(پہلا ایڈیشن) ——— صفحات 480، قیمت 550 روپے

★ عمدہ طباعت ★ دیدہ زیب ٹائٹل اور مضبوط جلد ★ امپورٹڈ آفسٹ پیپر

ملنے کے پتے

انجمن خُدّام القرآن خیبر پختونخوا پشاور

A-18 ناصر مینشن، ریلوے روڈ نمبر 2، شعبہ بازار پشاور، فون: (091)2584824,2214495

مکتبہ خُدّام القرآن لاہور

K-36، ماڈل ٹاؤن لاہور، فون 3-(042)35869501

وَاذۡكُرُوۡا نِعۡمَةَ اللّٰهِ عَلَيۡكُمۡ وَمِيۡثَاقَهُ الَّذِىۡ وَاثَقَكُمۡ بِهٖۤ ۙ اِذۡ قُلۡتُمۡ سَمِعۡنَا وَاَطَعۡنَا ۡ (المائدۃ:۷)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل اور اس کے میثاق کو یاد رکھو جو اس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے مانا اور اطاعت کی!

ماہنامہ میثاق لاہور

اجرائے ثانی
ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

جلد :	62
شمارہ :	9
ذُوالقعدہ	1434ھ
ستمبر	2013ء
فی شمارہ	-/25

مُدیر
حافظ عاکف سعید

نائب مُدیر
حافظ خالد محمود خضر

سالانہ زرِتعاون

اندرونِ ملک	250 روپے
بھارت و بنگلہ دیش	900 روپے
ایشیا‘ یورپ‘ افریقہ وغیرہ	1200 روپے
امریکہ‘ کینیڈا‘ آسٹریلیا وغیرہ	1500 روپے

ترسیلِ زر: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

مکتبہ خدام القرآن لاہور

مقامِ اشاعت: 36۔ کے ماڈل ٹاؤن‘ لاہور 54700‘ فون: 3-35869501
فیکس: 35834000 ای میل: publications@tanzeem.org
ویب سائٹ ایڈریس: www.tanzeem.org

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی: 67۔ علامہ اقبال روڈ‘ گڑھی شاہو‘ لاہور
فون: 36366638 - 36316638 فیکس: 36313131

پبلشر: ناظم مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور
طابع: رشید احمد چوہدری مطبع: مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

مشمولات

عرضِ احوال — 5
مصر کی تشویشناک صورتِ حال: لمحۂ فکریہ
ایوب بیگ مرزا

بیانُ القُرآن — 7
سورۃ ابراھیم (آیات ۱ تا ۲۳)
ڈاکٹر اسرار احمدؒ

مطالعۂ حدیث — 23
اخلاص‘ خیر خواہی اور وفاداری
ڈاکٹر اسرار احمدؒ

التّذکیر بایّامِ اللّٰہ — 57
عاد: ایک متمرّد اور سرکش قوم
عتیق الرحمٰن صدیقی

تذکیر و موعظت — 67
فواحش و منکرات: شیطان کے بڑے ہتھکنڈے
حافظ محمد زاہد

حسنِ معاشرت — 87
اکرامِ مسلم
پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

افکار و آراء — 92
اسلام میں عورت کا مقام
راحیل گوہر

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

مصر کی تشویشناک صورتِ حال: لمحۂ فکریہ

مصر دنیا کی قدیم ترین ریاستوں میں سے ایک ہے۔ اس سرزمین کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ الہامی کتابوں میں اس کا ذکر ملتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب قرآن حکیم میں جس قدر ذکر مصر کا ہے کسی دوسرے ملک یا سلطنت کا نہیں ہے۔ اس سرزمین کو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت یوسف علیہ السلام جیسے عظیم اور اولوالعزم پیغمبروں کی قدم بوسی کا شرف حاصل ہوا۔ اہرامِ مصر دنیا کے عجائب میں سے ایک ہے۔ البتہ یہ بھی ایک تاریخی حقیقت ہے کہ مصری عوام پر اکثر ظالم اور جابر حکمرانوں کا تسلّط رہا ہے۔ دورِ قدیم میں فراعنہ مصر جیسے خدائی کے دعویدار حکمران عوام کو بتاتے تھے کہ وہ ان کے معبود ہیں' لہٰذا انہیں اپنے سامنے سجدہ ریز ہونے پر مجبور کرتے رہے اور عوام کی تقدیر کے مالک بن کر ان کے سروں پر مسلط رہے' جبکہ دورِ جدید میں مصری عوام جنرل نجیب' جمال عبدالناصر' انور السادات اور حسنی مبارک جیسے آمروں کے ظلم وتشدّد کو سہتے رہے۔ ظلم وستم کی اس طویل تاریخ میں سے صرف اس دور کو نکال دیجیے جب خلافت راشدہ کے دور میں مصر فتح ہوا تو مصری عوام نے یہ جانا کہ حکمران عوام کے مائی باپ بھی ہوتے ہیں۔ ان کی فلاح وبہبود اور اچھی زندگی کے لیے حکمرانوں نے اپنی زندگیاں وقف کر دیں' لیکن مسلمان بھی جوں جوں دین سے دور اور دنیا کے قریب ہوتے چلے گئے خلافت پر ملوکیت کا رنگ چڑھتا گیا اور بالآخر عوام اور حکمرانوں کے درمیان اخوت اور بھائی چارے کا رشتہ ختم ہو کر ایک بار پھر غلام اور آقا کا رشتہ قائم ہو گیا۔ شاہ فاروق مصر کا آخری بادشاہ تھا۔ جنرل نجیب اور کرنل جمال عبدالناصر نے فوجی بغاوت کر کے مصر سے بادشاہت کا خاتمہ کر دیا اور اس کے بعد ایسا طرزِ حکومت قائم کیا کہ مصری عوام کو بادشاہوں کے ظلم وستم بھی بھول گئے اور اب وہ فوجی آمروں کے رحم وکرم پر تھے۔

۱۴/اکتوبر ۱۹۰۶ء کو مصر کے شہر اسماعیلیہ کے گاؤں محمودیہ میں ایک بچے نے جنم لیا جس کا نام اس کے والدین نے حسن احمد عبدالرحمٰن محمد البناء الساعاتی رکھا' جو حسن البناء کے نام سے

مشہور ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے بچپن ہی میں اسے دینی علوم سے نوازا۔ حسن البناء نے قرآن کریم حفظ بھی کیا اور اسے اپنی دعوت کا ذریعہ بنایا۔ صرف ۲۳ سال کی عمر میں انہوں نے ۱۱/اپریل ۱۹۲۹ء کو 'الاخوان المسلمون' کے نام سے ایک عظیم تحریک کی بنیاد رکھی۔ پھر اپنی مختصر سی زندگی دین کی دعوت کے لیے وقف کر دی۔ دوسری جنگ عظیم کے خاتمے پر الاخوان المسلمون نے برطانوی اقتدار کے خلاف عدمِ تعاون کی زبردست تحریک چلائی۔ ۱۹۴۸ء میں فلسطین کی جنگ میں اخوانیوں نے عرب لیگ کے پرچم تلے عدیم المثال شجاعت اور جرأت کا مظاہرہ کیا۔ انگریزوں نے اپنے ایجنٹ حکمرانوں کے ذریعے تحریک کے بانی حسن البناء کو سرِ بازار شہید کر دیا۔

۱۹۵۲ء میں حسن البناء کے جانشینوں نے شاہ فاروق کے خلاف فوجیوں کی مدد کی۔ شاہ فاروق کا تخت الٹ دیا گیا' لیکن فوجیوں کی یہ مدد الاخوان المسلمون کو بہت مہنگی پڑی۔ فوجی حکمرانوں نے حکومت کے حصول اور آغاز میں اس کے استحکام کے لیے اخوانیوں کو استعمال کیا' لیکن بعد ازاں ان ہی حکمرانوں اور ان کے جانشینوں نے ظلم وستم کے جو پہاڑ اخوانیوں پر توڑے اس کی جدید دور میں ہی نہیں قدیم دور میں بھی کوئی مثال نہیں ملتی۔ فرعونِ مصر طفلانِ بنی اسرائیل کو پیدا ہوتے ہی مار دیتا تھا' جبکہ نئے دور کے فرعونوں نے مصری ماؤں کے ہزاروں سپوتوں کو جدید طریقوں سے اس طرح تشدد کا نشانہ بنایا کہ وہ تڑپ تڑپ کر جان دے دیتے تھے۔ جمال عبدالناصر سے لے کر حسنی مبارک تک ۶۰ سال سے زائد کا عرصہ اخوان نے اسی اذیت میں گزارا۔

حسنی مبارک کی حکومت کے خاتمے کے ساتھ یہ تاثر ابھرا تھا کہ مصریوں پر طاری یہ سیاہ رات ختم ہو گئی اور سحر طلوع ہو گئی ہے۔ عوام کو اپنا حکمران خود منتخب کرنے کا حق دیا گیا۔ الاخوان المسلمون نے انتخابات میں حصہ لیا۔ مرسی اکیاون (۵۱) فیصد ووٹ حاصل کر کے مصر کے صدر منتخب ہوئے' لیکن فوج' عدلیہ اور میڈیا' جہاں سیکولر طبقہ واضح طور پر غالب تھا' نے آغاز ہی سے صدر مرسی کے راستے میں رکاوٹیں کھڑا کرنا شروع کر دیں۔ پاکستان میں ایک طبقہ اس غلط فہمی میں مبتلا تھا کہ جمہوری اور منتخب حکومت ہونے کی وجہ سے امریکہ اور مغرب الاخوان المسلمون کی حکومت کی حمایت کرے گا۔ اس لیے کہ جمہوریت ان کا بنیادی نظریہ بلکہ صحیح تر الفاظ میں ان کے ایمان کا حصہ ہے۔ شاید یہ لوگ الجزائر اور حماس سے ہونے والے سلوک کو بھول چکے تھے۔

(باقی صفحہ 97 پر)

دورۂ ترجمۂ قرآن

ڈاکٹر اسرار احمد

سُورۃ ابْراھِیْم

تمہیدی کلمات

سورۂ ابراہیم کا سورۃ الرعد کے ساتھ جوڑے کا تعلق ہے۔ ان دونوں سورتوں میں کئی ایسی آیات ہیں جو سورۃ البقرۃ کی بعض آیات کے ساتھ مشابہت رکھتی ہیں۔ سورۃ الرعد میں کسی نبی یا رسول کا ذکر نام کے ساتھ نہیں آیا' اسی طرح سورۂ ابراہیم میں بھی انبیاء ورسل علیہم السلام کا تذکرہ قدرے مختلف انداز میں آیا ہے۔ شروع میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر چند آیات میں کرنے کے بعد زمانہ قبل کے سب انبیاء ورسل علیہم السلام کا ذکر جمع کے صیغے میں ایک ساتھ کیا گیا ہے' جبکہ آخر میں اختصار کے ساتھ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر ہے۔ اسی وجہ سے اس سورۃ کا نام بھی آپؑ سے منسوب ہے۔

آیات ۱ تا ۴

الٓرٰ قف كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ
اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۙ۝۱ اللّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ
وَوَيْلٌ لِّلْكٰفِرِيْنَ مِنْ عَذَابٍ شَدِيْدِ ۙ۝۲ الَّذِيْنَ يَسْتَحِبُّوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى
الْاٰخِرَةِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ؕ اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍ
بَعِيْدٍ ۝۳ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ ؕ فَيُضِلُّ اللّٰهُ
مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۴

آیت ۱ ﴿الٓرٰ قف﴾ ا' ل' ر۔

اس مقام پر حروفِ مقطعات کے بارے میں ایک اہم نکتہ یہ ہے کہ مکی سورتوں کے اس سلسلے کے پہلے ذیلی گروپ کی تینوں سورتوں (یونس' ہود اور یوسف) کا آغاز الٓرٰ سے ہو رہا ہے' جبکہ دوسرے ذیلی گروپ کی پہلی سورۃ (الرعد) الٓمّٓرٰ سے اور دوسری دونوں سورتیں (ابراہیم اور الحجر) پھر الٓرٰ سے ہی شروع ہو رہی ہیں۔

﴿كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ﴾ ''(اے نبی ﷺ!) یہ کتاب ہم نے نازل کی ہے آپ کی طرف تاکہ آپ نکالیں لوگوں کو اندھیروں سے روشنی کی طرف' اُن کے رب کے اذن سے''

قرآن کریم میں اندھیرے کے لیے لفظ ''ظُلُمات'' ہمیشہ جمع اور اس کے مقابلے میں ''نُور'' ہمیشہ واحد استعمال ہوا ہے۔ چونکہ کسی فرد کی ہدایت کے لیے فیصلہ اللہ کی طرف سے ہی ہوتا ہے' اس لیے فرمایا کہ آپ ﷺ کا انہیں اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لانے کا یہ عمل اللہ کے حکم اور اس کی منظوری سے ہوگا۔

﴿اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۝۱﴾ ''اُس ہستی کے راستے کی طرف جو سب پر غالب اور اپنی ذات میں خود محمود ہے۔''

آیت ۲ ﴿اللّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ﴾ ''وہ اللہ جس کی ملکیت ہے ہر وہ شے جو آسمانوں اور زمین میں ہے۔''

﴿وَوَيْلٌ لِّلْكٰفِرِيْنَ مِنْ عَذَابٍ شَدِيْدِ ۙ۝۲﴾ ''اور بربادی ہے کافروں کے لیے ایک سخت عذاب سے۔''

آیت ۳ ﴿الَّذِيْنَ يَسْتَحِبُّوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ﴾ ''وہ لوگ جو پسند کرتے ہیں دنیا کی زندگی کو آخرت کے مقابلے میں''

یہ آیت ہم سب کو دعوت دیتی ہے کہ ہم میں سے ہر شخص اپنے گریبان میں جھانکے اور اپنی ترجیحات کا تجزیہ کرے کہ اس کی مہلتِ زندگی کے اوقات کار کی تقسیم کیا ہے؟ اس کی بہترین صلاحیتیں کہاں کھپ رہی ہیں؟ اور اس نے اپنی زندگی کا بنیادی نصب العین کس رخ پر متعین کر رکھا ہے؟ پھر اپنی مشغولیات میں سے دنیا اور آخرت کے حصے الگ الگ کر کے دیکھے

کہ دُنیوی زندگی (مَتَاعُ الغُرُوْر) کو سمیٹنے کی اس بھاگ دوڑ میں سے اصل اور حقیقی زندگی (خَیْرٌ وَّاَبْقٰی) کے لیے اس کے دامن میں کیا کچھ بچتا ہے؟

﴿وَیَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَیَبْغُوْنَھَا عِوَجًا ؕ اُولٰٓئِکَ فِیْ ضَلٰلٍۭ بَعِیْدٍ ③﴾ ''اور وہ روکتے ہیں اللہ کے رستے سے اور اس کے اندر کجی تلاش کرتے ہیں۔ یقیناً یہ لوگ بہت دور کی گمراہی میں مبتلا ہو چکے ہیں۔''

اللہ کے راستے سے روکنے کی مثالیں آج بھی آپ کو قدم قدم پر ملیں گی۔ مثلاً ایک نوجوان کو اگر اللہ کی طرف سے دین کا شعور اور متاعِ ہدایت نصیب ہوئی ہے اور وہ اپنی زندگی کو اسی رخ پر ڈالنا چاہتا ہے تو اس کے والدین اور دوست احباب اس کو سمجھانے لگتے ہیں' کہ تم اپنے کیریئر کو دیکھو' اپنے مستقبل کی فکر کرو' یہ تمہارے دماغ میں کیا فتور آ گیا ہے؟ غرض وہ کسی نہ کسی طرح سے اسے قائل کر کے اپنے اسی رستے پر لے جانے کی کوشش کرتے ہیں جس پر وہ خود اپنی زندگیاں برباد کر رہے ہیں۔

آیت ۴ ﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِیُبَیِّنَ لَھُمْ ؕ﴾ ''اور ہم نے نہیں بھیجا کسی رسولؐ کو مگر اُس کی قوم کی زبان ہی میں تاکہ وہ ان کے لیے (اللہ کے احکام) اچھی طرح واضح کر دے۔''

یعنی ہر قوم کی طرف مبعوث رسول پر وحی اُس قوم کی اپنی ہی زبان میں آتی تھی تاکہ بات کے سمجھنے اور سمجھانے میں کسی قسم کا ابہام نہ رہ جائے' اور ابلاغ کا حق ادا ہو جائے۔ جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تورات دی گئی تو عبرانی زبان میں دی گئی جو آپؑ کی قوم کی زبان تھی۔

﴿فَیُضِلُّ اللّٰہُ مَنْ یَّشَآءُ وَیَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ ؕ﴾ ''پھر اللہ گمراہ کرتا ہے جس کو چاہتا ہے اور ہدایت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے۔''

اس کا ترجمہ یوں بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ گمراہ کرتا ہے اسے جو چاہتا ہے گمراہ ہونا اور ہدایت دیتا ہے اس کو جو چاہتا ہے ہدایت حاصل کرنا۔

﴿وَھُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ④﴾ ''اور وہ زبردست ہے' کمال حکمت والا۔''

آیات ۵ تا ۸

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰی بِاٰیٰتِنَآ اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ ۙ

وَذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰىمِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ⑤ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ اَنْجٰىكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ وَيُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ؕ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ⑥ وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ لَىِٕنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَىِٕنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ ⑦ وَقَالَ مُوْسٰٓى اِنْ تَكْفُرُوْٓا اَنْتُمْ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ حَمِيْدٌ ⑧

آیت ۵ ﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰی بِاٰیٰتِنَآ اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ ۙ وَذَكِّرْھُمْ بِاَیّٰىمِ اللّٰہِ ؕ﴾ ''اور (اسی طرح) ہم نے بھیجا تھا موسیٰؑ کو اپنی نشانیوں کے ساتھ کہ نکالو اپنی قوم کو اندھیروں سے اُجالے کی طرف اور انہیں خبردار کرو اللہ کے دنوں کے حوالے سے۔''

یہ ''التذکیر بایّام اللّٰہ'' کی وہی اصطلاح ہے جس کا ذکر شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے قبل ازیں بار بار آ چکا ہے۔ شاہ ولی اللہؒ نے اپنی مشہور کتاب ''الفوز الکبیر'' میں مضامین قرآن کی تقسیم کے سلسلے میں ''التذکیر بایام اللّٰہ'' کی یہ اصطلاح استعمال کی ہے' یعنی اللہ کے ان دنوں کے حوالے سے لوگوں کو خبردار کرنا جن دنوں میں اللہ نے بڑے بڑے فیصلے کیے اور ان فیصلوں کے مطابق کئی قوموں کو نیست و نابود کر دیا۔ اس کے ساتھ شاہ ولی اللہؒ نے دوسری اصطلاح ''التذکیر بآلاء اللّٰہ'' کی استعمال کی ہے' یعنی اللہ کی نعمتوں اور اس کی نشانیوں کے حوالے سے تذکیر اور یاددہانی۔

﴿اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ⑤﴾ ''یقیناً اس میں نشانیاں ہیں ہر اُس انسان کے لیے جو بہت صبر کرنے والا اور بہت شکر کرنے والا ہے۔''

صَبَّار اور شَکُور دونوں مبالغے کے صیغے ہیں۔ صبر اور شکر یہ دونوں صفات آپس میں ایک دوسرے کے لیے تکمیلی (complementary) نوعیت کی ہیں۔ چنانچہ ایک بندۂ مؤمن کو ہر وقت ان میں سے کسی ایک حالت میں ضرور ہونا چاہیے اور اگر وہ ان میں سے ایک حالت سے نکلے تو دوسری حالت میں داخل ہو جائے۔ اگر اللہ نے اس کو نعمتوں اور آسائشوں سے نوازا ہے تو وہ شکر کرنے والا ہو اور اگر کوئی مصیبت یا تنگی اسے پہنچی ہے تو صبر کرنے والا ہو۔

حضرت صہیب بن سنان رومی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((عَجَبًا لِاَمْرِ الْمُؤْمِنِ اِنَّ اَمْرَہٗ کُلَّہٗ خَیْرٌ وَلَیْسَ ذَاکَ لِاَحَدٍ اِلَّا لِلْمُؤْمِنِ، اِنْ اَصَابَتْہُ سَرَّاءُ شَکَرَ فَکَانَ خَیْرًا لَّہٗ وَاِنْ اَصَابَتْہُ ضَرَّاءُ صَبَرَ فَکَانَ خَیْرًا لَّہٗ))(۱)

”مؤمن کا معاملہ تو بہت ہی خوب ہے‘ اس کے لیے ہر حال میں بھلائی ہے‘ اور یہ بات مؤمن کے سوا کسی اور کے لیے نہیں ہے۔ اگر اسے کوئی آسائش پہنچتی ہے تو شکر کرتا ہے‘ پس یہ اُس کے لیے بہتر ہے‘ اور اگر اسے کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو صبر کرتا ہے‘ پس یہ اُس کے لیے بہتر ہے۔“

آیت ۶ ﴿وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِہِ اذْکُرُوْا نِعْمَۃَ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ اِذْ اَنْجٰىکُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ﴾ ”اور یاد کرو جب موسیٰؑ نے اپنی قوم سے کہا کہ اپنے اوپر اللہ کی اُس نعمت کو یاد رکھو جب اُس نے تمہیں نجات دی آلِ فرعون سے۔“

﴿یَسُوْمُوْنَکُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ وَیُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَکُمْ وَیَسْتَحْیُوْنَ نِسَآءَکُمْ ط﴾

”وہ تمہیں مبتلا کیے ہوئے تھے بدترین عذاب میں‘ اور وہ لوگ تمہارے بیٹوں کو ذبح کر دیتے تھے اور تمہاری بیٹیوں کو زندہ رکھتے تھے۔“

﴿وَفِیْ ذٰلِکُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ عَظِیْمٌ ۶﴾ ”اور اس میں یقیناً تمہارے لیے تمہارے رب کی طرف سے بہت بڑی آزمائش تھی۔“

آیت ۷ ﴿وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّکُمْ لَئِنْ شَکَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّکُمْ﴾ ”اور یاد کرو جب تمہارے رب نے اعلان کر دیا تھا کہ اگر تم شکر کرو گے تو میں تمہیں اور زیادہ دوں گا۔“

اگر تم لوگ میرے احکام مانو گے اور میری نعمتوں کا حق ادا کرو گے تو میرے خزانوں میں کوئی کمی نہیں ہے‘ میں تم لوگوں کو اپنی مزید نعمتیں بھی عطا کروں گا۔

﴿وَلَئِنْ کَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِیْ لَشَدِیْدٌ ۷﴾ ”اور اگر تم کفر کرو گے تو یقیناً میرا عذاب بھی بہت سخت ہے۔“

لیکن اگر تم کفرانِ نعمت کرو گے‘ میری نعمتوں کی ناقدری اور ناشکری کرو گے اور میرے

(۱) صحیح مسلم‘ کتاب الزھد والرقائق‘ باب المؤمن امرہ کلہ خیر۔

احکام سے روگردانی کرو گے تو یاد رکھو میری سزا بھی بہت سخت ہو گی۔

آیت ۸ ﴿وَقَالَ مُوْسٰٓی اِنْ تَکْفُرُوْٓا اَنْتُمْ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا ۙ فَاِنَّ اللّٰہَ لَغَنِیٌّ حَمِیْدٌ ۸﴾ ”اور موسیٰؑ نے کہا کہ اگر تم کفر کرو اور جو بھی لوگ زمین میں ہیں وہ (سب کے سب کافر ہو جائیں) تو یقیناً اللہ غنی اور اپنی ذات میں خود محمود ہے۔“

وہ بے نیاز ہے‘ اس کو کسی کی احتیاج یا پروا نہیں۔ وہ اپنی ذات میں ستودہ صفات ہے۔

آیات ۹ تا ۱۷

اَلَمْ یَاْتِکُمْ نَبَؤُا الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ ۛ وَالَّذِیْنَ مِنْۢ
بَعْدِہِمْ ۛؕ لَا یَعْلَمُہُمْ اِلَّا اللّٰہُ ؕ جَآءَتْہُمْ رُسُلُہُمْ بِالْبَیِّنٰتِ فَرَدُّوْٓا اَیْدِیَہُمْ فِیْٓ
اَفْوَاہِہِمْ وَقَالُوْٓا اِنَّا کَفَرْنَا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِہٖ وَاِنَّا لَفِیْ شَکٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَنَآ اِلَیْہِ
مُرِیْبٍ ۹ قَالَتْ رُسُلُہُمْ اَفِی اللّٰہِ شَکٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ یَدْعُوْکُمْ
لِیَغْفِرَ لَکُمْ مِّنْ ذُنُوْبِکُمْ وَیُؤَخِّرَکُمْ اِلٰٓی اَجَلٍ مُّسَمًّی ؕ قَالُوْٓا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ
مِّثْلُنَا ؕ تُرِیْدُوْنَ اَنْ تَصُدُّوْنَا عَمَّا کَانَ یَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا فَاْتُوْنَا بِسُلْطٰنٍ
مُّبِیْنٍ ۱۰ قَالَتْ لَہُمْ رُسُلُہُمْ اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ یَمُنُّ عَلٰی
مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِہٖ ؕ وَمَا کَانَ لَنَآ اَنْ نَّاْتِیَکُمْ بِسُلْطٰنٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰہِ ؕ
وَعَلَی اللّٰہِ فَلْیَتَوَکَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۱۱ وَمَا لَنَآ اَلَّا نَتَوَکَّلَ عَلَی اللّٰہِ وَقَدْ ہَدٰىنَا
سُبُلَنَا ؕ وَلَنَصْبِرَنَّ عَلٰی مَآ اٰذَیْتُمُوْنَا ؕ وَعَلَی اللّٰہِ فَلْیَتَوَکَّلِ الْمُتَوَکِّلُوْنَ ۱۲
وَقَالَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لِرُسُلِہِمْ لَنُخْرِجَنَّکُمْ مِّنْ اَرْضِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِیْ مِلَّتِنَا ؕ
فَاَوْحٰٓی اِلَیْہِمْ رَبُّہُمْ لَنُہْلِکَنَّ الظّٰلِمِیْنَ ۱۳ وَلَنُسْکِنَنَّکُمُ الْاَرْضَ مِنْۢ
بَعْدِہِمْ ؕ ذٰلِکَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِیْ وَخَافَ وَعِیْدِ ۱۴ وَاسْتَفْتَحُوْا وَخَابَ کُلُّ
جَبَّارٍ عَنِیْدٍ ۱۵ مِّنْ وَّرَآئِہٖ جَہَنَّمُ وَیُسْقٰی مِنْ مَّآءٍ صَدِیْدٍ ۱۶ یَّتَجَرَّعُہٗ وَلَا
یَکَادُ یُسِیْغُہٗ وَیَاْتِیْہِ الْمَوْتُ مِنْ کُلِّ مَکَانٍ وَّمَا ہُوَ بِمَیِّتٍ ؕ وَمِنْ وَّرَآئِہٖ
عَذَابٌ غَلِیْظٌ ۱۷

آیت ۹ ﴿اَلَمۡ یَاۡتِکُمۡ نَبَؤُا الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِکُمۡ قَوۡمِ نُوۡحٍ وَّ عَادٍ وَّ ثَمُوۡدَ ۬ؕ﴾ ’’کیا تمہارے پاس آ نہیں چکی ہیں خبریں ان لوگوں کی جو تم سے پہلے تھے‘ یعنی قومِ نوح اور عاد اور ثمود کی‘‘

﴿وَ الَّذِیۡنَ مِنۡۢ بَعۡدِہِمۡ ؕ لَا یَعۡلَمُہُمۡ اِلَّا اللّٰہُ ؕ﴾ ’’اور ان کی جو ان کے بعد ہوئے‘ انہیں اللہ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔‘‘

﴿جَآءَتۡہُمۡ رُسُلُہُمۡ بِالۡبَیِّنٰتِ فَرَدُّوۡۤا اَیۡدِیَہُمۡ فِیۡۤ اَفۡوَاہِہِمۡ﴾ ’’ان کے پاس آئے ان کے رسولؑ واضح نشانیاں لے کر‘ تو انہوں نے اپنی انگلیاں اپنے مونہوں میں ٹھونس لیں‘‘

﴿وَ قَالُوۡۤا اِنَّا کَفَرۡنَا بِمَاۤ اُرۡسِلۡتُمۡ بِہٖ وَ اِنَّا لَفِیۡ شَکٍّ مِّمَّا تَدۡعُوۡنَنَاۤ اِلَیۡہِ مُرِیۡبٍ ﴿۹﴾﴾ ’’اور کہا کہ ہم تو انکار کرتے ہیں اس کا جس کے ساتھ تم بھیجے گئے ہو‘ اور تم ہمیں جس چیز کی دعوت دے رہے ہو اُس کے بارے میں ہم سخت الجھن میں ڈال دینے والے شک میں مبتلا ہیں۔‘‘

یہاں تمام رسولوں کو ایک جماعت فرض کر کے اُن کا ذکر اکٹھے کیا جا رہا ہے‘ کیونکہ سب نے اپنی اپنی قوم کو ایک جیسی دعوت دی اور اُس دعوت کے جواب میں سب رسولوں کی قوموں کا ردِعمل بھی تقریباً ایک جیسا تھا۔ ان سب اقوام نے اپنے رسولوں کی دعوت کو رد کرتے ہوئے کہا کہ ہمیں تو ان باتوں کے متعلق بہت سے شکوک وشبہات لاحق ہیں‘ جن کی وجہ سے ہم سخت الجھن میں پڑ گئے ہیں۔

آیت ۱۰ ﴿قَالَتۡ رُسُلُہُمۡ اَفِی اللّٰہِ شَکٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ؕ﴾ ’’ان کے رسولوں نے کہا کہ کیا تم لوگوں کو اللہ کی ذات کے بارے میں شک ہے جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے؟‘‘

یہ searching question کا سا انداز ہے جس میں بات وہاں سے شروع کی جا رہی ہے جہاں تک خود فریق ثانی کو بھی اتفاق ہے۔ مذکورہ تمام اقوام کے کفار و مشرکین میں ایک عقیدہ ہمیشہ مشترک رہا ہے کہ وہ تمام لوگ نہ صرف اللہ کو مانتے تھے بلکہ اسے زمین و آسمان کا خالق بھی تسلیم کرتے تھے۔ چنانچہ جس قوم کے لوگوں نے بھی اپنے رسولؑ کی دعوت کو شکوک و

شبہات کی بنا پر رد کرنا چاہا ان کو ہمیشہ یہی جواب دیا گیا۔ یعنی سب سے پہلے اللہ کی ذات کا معاملہ ہمارے تمہارے درمیان واضح ہونا چاہیے کہ تمہیں اللہ کی ذات کے بارے میں شک ہے یا اس کے خالق ارض وسماوات ہونے میں؟

﴿یَدۡعُوۡکُمۡ لِیَغۡفِرَ لَکُمۡ مِّنۡ ذُنُوۡبِکُمۡ وَ یُؤَخِّرَکُمۡ اِلٰۤی اَجَلٍ مُّسَمًّی ؕ﴾ ’’وہ (اللہ) تمہیں بلا رہا ہے تاکہ تمہارے گناہوں کو بخش دے اور ایک وقت معین تک تمہیں مہلت دے۔‘‘

﴿قَالُوۡۤا اِنۡ اَنۡتُمۡ اِلَّا بَشَرٌ مِّثۡلُنَا ؕ﴾ ’’انہوں نے جواب دیا کہ نہیں ہیں آپ لوگ مگر ہماری ہی طرح کے انسان۔‘‘

﴿تُرِیۡدُوۡنَ اَنۡ تَصُدُّوۡنَا عَمَّا کَانَ یَعۡبُدُ اٰبَآؤُنَا فَاۡتُوۡنَا بِسُلۡطٰنٍ مُّبِیۡنٍ ﴿۱۰﴾﴾ ’’آپ چاہتے ہیں کہ روک دیں ہمیں ان (کی پرستش) سے جن کو پوجتے تھے ہمارے آباء‘ تو لائیے آپ ہمارے سامنے کوئی کھلا معجزہ!‘‘

سب قوموں کے لوگوں کا یہ جواب بھی ایک جیسا تھا‘ سب نے رسولوں کے انسان ہونے پر اعتراض کیا اور سب نے حسی معجزہ طلب کیا۔

آیت ۱۱ ﴿قَالَتۡ لَہُمۡ رُسُلُہُمۡ اِنۡ نَّحۡنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثۡلُکُمۡ وَ لٰکِنَّ اللّٰہَ یَمُنُّ عَلٰی مَنۡ یَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِہٖ ؕ﴾ ’’اُن کے رسولوں نے ان سے کہا کہ واقعی ہم کچھ نہیں ہیں مگر تمہاری ہی طرح کے انسان‘ لیکن اللہ احسان فرماتا ہے اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے۔‘‘

یہ اللہ کی مرضی کا معاملہ ہے‘ وہ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت سے نواز دیتا ہے۔ اس نے ہمیں اپنی رسالت کے لیے چن لیا ہے‘ ہماری طرف وحی بھیجی ہے اور ہمیں مامور کیا ہے کہ ہم آپ لوگوں کو خبردار کریں اور اس کے احکام آپ تک پہنچائیں۔

﴿وَ مَا کَانَ لَنَاۤ اَنۡ نَّاۡتِیَکُمۡ بِسُلۡطٰنٍ اِلَّا بِاِذۡنِ اللّٰہِ ؕ وَ عَلَی اللّٰہِ فَلۡیَتَوَکَّلِ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۱۱﴾﴾ ’’اور ہمارے لیے ممکن نہیں ہے کہ ہم لے آئیں تمہارے پاس کوئی معجزہ اللہ کے حکم کے بغیر۔ اور اللہ ہی پر توکّل کرنا چاہیے اہل ایمان کو۔‘‘

آیت ۱۲ ﴿وَ مَا لَنَاۤ اَلَّا نَتَوَکَّلَ عَلَی اللّٰہِ وَ قَدۡ ہَدٰىنَا سُبُلَنَا ؕ﴾ ’’اور ہمیں کیا ہے کہ ہم اللہ پر توکل نہ کریں حالانکہ اُس نے ہمیں ہمارے راستوں کی ہدایت بخشی ہے۔‘‘

اللہ نے ہمیں اپنے تقرب کے طریقے اور اپنی طرف آنے کے راستے بتائے ہیں‘ یہ کیسے ممکن ہے کہ ہم اس پر توکّل نہ کریں؟

﴿وَلَنَصْبِرَنَّ عَلٰی مَآ اٰذَیْتُمُوْنَا ؕ وَعَلَی اللّٰہِ فَلْیَتَوَکَّلِ الْمُتَوَکِّلُوْنَ ﴿۱۲﴾﴾ ’’اور ہم صبر ہی کریں گے اس ایذا پر جو تم ہمیں پہنچا رہے ہو‘ اور اللہ ہی پر توکّل کرنا چاہیے تمام توکل کرنے والوں کو۔‘‘

آیت ۱۳ ﴿وَقَالَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لِرُسُلِہِمْ﴾ ’’اور کہا ان لوگوں نے جو کافر ہوئے تھے اپنے رسولوں سے‘‘

رسولوں کی جماعت اور ان کی قوموں کے درمیان ہونے والے سوالات و جوابات کا تذکرہ جاری ہے۔ یعنی اپنے اپنے زمانے میں اپنے اپنے رسولوں سے متعلقہ اقوام کے لوگوں نے کہا:

﴿لَنُخْرِجَنَّکُمْ مِّنْ اَرْضِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِیْ مِلَّتِنَا ؕ﴾ ’’ہم لازماً نکال باہر کریں گے تمہیں اپنی زمین سے یا تمہیں لوٹنا ہوگا ہمارے دین میں۔‘‘

﴿فَاَوْحٰۤی اِلَیْہِمْ رَبُّہُمْ لَنُہْلِکَنَّ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۳﴾﴾ ’’تو وحی کی ان کی طرف ان کے رب نے کہ ہم ان ظالموں کو اب لازماً ہلاک کر دیں گے۔‘‘

آیت ۱۴ ﴿وَلَنُسْکِنَنَّکُمُ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِہِمْ ؕ﴾ ’’اور ہم آباد کریں گے زمین میں تم لوگوں کو ان کے بعد۔‘‘

یعنی اللہ تعالیٰ نے رسولوں کی طرف وحی بھیجی کہ اب تمام کافروں کو ہلاک کر دیا جائے گا اور اس کے بعد رسولؑ اور ان کے ساتھ بچ جانے والے تمام اہل ایمان کو پھر سے زمین میں آباد کرنے کا سامان کیا جائے گا۔

﴿ذٰلِکَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِیْ وَخَافَ وَعِیْدِ ﴿۱۴﴾﴾ ’’یہ ان لوگوں کے لیے ہے جو میرے سامنے کھڑے ہونے اور میری وعید سے ڈرتے ہیں۔‘‘

جو لوگ عذاب کی وعیدوں سے ڈرتے ہیں اور روزِ محشر اللہ کی عدالت میں کھڑے ہونے کے تصور سے لرز جاتے ہیں۔

آیت ۱۵ ﴿وَاسْتَفْتَحُوْا وَخَابَ کُلُّ جَبَّارٍ عَنِیْدٍ ﴿۱۵﴾﴾ ’’اور انہوں نے فیصلہ طلب کیا اور نامراد ہو کر رہا ہر سرکش ضدی۔‘‘

جو لوگ کفر و شرک پر ڈٹے رہتے وہ اس بات پر بھی اپنے رسولؑ سے اصرار کرتے کہ ہمارے اور تمہارے درمیان آخری فیصلہ ہو جانا چاہیے۔ پھر جب اللہ کی طرف سے وہ آخری فیصلہ عذابِ استیصال کی صورت میں آتا تو اس کے نتیجے میں سرکش اور ہٹ دھرم قوم کو نیست و نابود کر دیا جاتا۔ ایسے منکرین حق کی تباہی و بربادی کا نقشہ قرآن حکیم میں اس طرح کھینچا گیا ہے: ﴿کَاَنْ لَّمْ یَغْنَوْا فِیْہَا ۚ﴾ (الاعراف: ۹۲) ’’وہ ایسے ہو گئے جیسے کبھی تھے ہی نہیں‘‘ اور ﴿فَاَصْبَحُوْا لَا یُرٰۤی اِلَّا مَسٰکِنُہُمْ ؕ﴾ (الاحقاف: ۲۵) یعنی وہ ایسے ہو گئے کہ ان کے دیار و امصار میں صرف اُن کے محلات و مساکن ہی نظر آتے تھے جبکہ اُن کے مکینوں کا نام و نشان تک باقی نہ رہا۔ اور یہ سب کچھ تو ان لوگوں کے ساتھ اس دنیا میں ہوا‘ جبکہ آخرت کی بڑی سزا اُس کے علاوہ ہے جس کو جھیلتے ہوئے ان میں سے ہر ایک سرکش ضدی اس طرح نشانِ عبرت بنے گا:

آیت ۱۶ ﴿مِّنْ وَّرَآئِہٖ جَہَنَّمُ وَیُسْقٰی مِنْ مَّآءٍ صَدِیْدٍ ﴿۱۶﴾﴾ ’’اُس کے پیچھے جہنم ہے اور اس کو پلایا جائے گا پیپ والا پانی۔‘‘

آیت ۱۷ ﴿یَّتَجَرَّعُہٗ وَلَا یَکَادُ یُسِیْغُہٗ﴾ ’’وہ اس کو گھونٹ گھونٹ پینے کی کوشش کرے گا لیکن اسے حلق سے اتار نہیں پائے گا‘‘

﴿وَیَاْتِیْہِ الْمَوْتُ مِنْ کُلِّ مَکَانٍ وَّمَا ہُوَ بِمَیِّتٍ ؕ﴾ ’’اور اُسے ہر طرف سے موت (آتی ہوئی نظر) آئے گی لیکن مر نہیں سکے گا۔‘‘

شدید تکلیف میں موت انسان کو راحت پہنچا دیتی ہے۔ بعض بیمار ایسے ہوتے ہیں کہ تکلیف کی شدت میں ایڑیاں رگڑ رہے ہوتے ہیں اور موت ان کے لیے راحت کا سامان بن جاتی ہے۔ لیکن جہنم ایسی جگہ ہے کہ جہاں انسان کو موت نہیں آئے گی۔ سورۂ طٰہٰ میں اس کیفیت کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے: ﴿لَا یَمُوْتُ فِیْہَا وَلَا یَحْیٰی ﴿۷۴﴾﴾ ’’نہ وہ اس میں مرے گا اور نہ جی پائے گا‘‘۔ اہلِ جہنم شدید خواہش کریں گے کہ موت آ جائے اور ان کا قصہ تمام ہو جائے مگر ان کی یہ خواہش پوری نہیں ہوگی۔

﴿وَمِنْ وَّرَآئِہٖ عَذَابٌ غَلِیْظٌ ﴿۱۷﴾﴾ ’’اور اس کے بعد اُس کے لیے ایک اور سخت عذاب ہوگا۔‘‘

یعنی اس سختی میں مسلسل اضافہ ہوتا جائے گا‘ عذاب کی شدت درجہ بدرجہ بڑھتی ہی چلی جائے گی۔

آیات ۱۸ تا ۲۱

مَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ اَعْمَالُهُمْ كَرَمَادِ ِۨاشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ يَوْمٍ
عَاصِفٍ ۭ لَا يَقْدِرُوْنَ مِمَّا كَسَبُوْا عَلٰي شَيْءٍ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ۝۱۸
اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۭ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ
بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ ۝۱۹ وَّمَا ذٰلِكَ عَلَي اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ۝۲۰ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ جَمِيْعًا فَقَالَ الضُّعَفٰۗؤُا
لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ
مِنْ شَيْءٍ ۭ قَالُوْا لَوْ هَدٰىنَا اللّٰهُ لَهَدَيْنٰكُمْ ۭ سَوَاۗءٌ عَلَيْنَآ اَجَزِعْنَآ اَمْ صَبَرْنَا
مَا لَنَا مِنْ مَّحِيْصٍ ۝۲۱

آیت ۱۸ ﴿مَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ اَعْمَالُهُمْ كَرَمَادِ ِۨاشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ يَوْمٍ عَاصِفٍ ۭ﴾ ’’مثال ان لوگوں کی جنہوں نے کفر کیا اپنے ربّ کے ساتھ (ایسی ہے) کہ ان کے اعمال ہوں راکھ کی مانند‘ جس پر زوردار ہوا چلے آندھی کے دن۔‘‘

اللہ کے ہاں کسی بھی نیک عمل کی قبولیت کے لیے ایمان لازمی اور بنیادی شرط ہے۔ چنانچہ جو لوگ اپنے رب کا کفر کرتے ہیں ان کے نیک اعمال کو یہاں راکھ کے ایسے ڈھیر سے تشبیہہ دی گئی ہے جس پر تیز آندھی چلی اور اس کا ایک ایک ذرہ منتشر ہو گیا۔ یعنی بظاہر تو وہ ڈھیر نظر آتا تھا مگر اللہ کے ہاں اس کی کچھ بھی حیثیت باقی نہ رہی۔ یہ بہت اہم مضمون ہے اور قرآن کریم میں مختلف مثالوں کے ساتھ اسے تین بار دہرایا گیا ہے۔ سورۃ النور کی آیت ۳۹ میں کفار کے اعمال کو سراب سے تشبیہہ دی گئی ہے اور سورۃ الفرقان کی آیت ۲۳ میں منکرین آخرت کے اعمال کو ﴿هَبَاۗءً مَّنْثُوْرًا﴾ یعنی ’’ہوا میں اڑتے ہوئے ذرات‘‘ کی مانند قرار دیا گیا ہے۔

دراصل ہر انسان اپنی ذہنی سطح کے مطابق نیکی کا ایک تصور رکھتا ہے‘ کیونکہ نیکی ہر انسان کی روح کی ضرورت ہے‘ مگر نیکی کا تعلق چونکہ براہِ راست اللہ تعالیٰ کی مرضی اور اس کی قبولیت کے ساتھ ہے‘ چنانچہ اس کے لیے معیار بھی وہی قابل قبول ہو گا جو اللہ نے خود قائم کیا ہے‘ اور وہ معیار سورۃ البقرۃ کی آیت البر کی روشنی میں یہ ہے:

﴿لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰۗىِٕكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰي

حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ۙ وَالسَّاۗىِٕلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَاۗءِ وَالضَّرَّاۗءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ۝۱۷۷﴾

’’نیکی یہی نہیں ہے کہ تم اپنے چہرے مشرق اور مغرب کی طرف پھیر دو‘ بلکہ اصل نیکی تو اُس کی ہے جو ایمان لایا اللہ پر‘ یوم آخرت پر‘ فرشتوں پر‘ کتاب پر اور نبیوں پر۔ اور اس نے خرچ کیا مال اس کی محبت کے باوجود قرابت داروں‘ یتیموں محتاجوں‘ مسافروں اور مانگنے والوں پر اور گردنوں کے چھڑانے میں۔ اور قائم کی نماز اور ادا کی زکوٰۃ۔ اور جو پورا کرنے والے ہیں اپنے عہد کے جب کوئی عہد کر لیں۔ اور صبر کرنے والے فقر و فاقہ میں‘ تکالیف میں اور حالتِ جنگ میں۔ یہی وہ لوگ ہیں جو سچے ہیں اور یہی حقیقت میں متقی ہیں۔‘‘

اگر نیکی اس معیار کے مطابق ہے تو پھر یہ واقعی نیکی ہے‘ لیکن اگر ایسا نہیں ہے تو نیکی کی شکل میں دھوکہ‘ سراب‘ اور فریب ہے‘ نیکی نہیں ہے۔ دراصل جب انسان کی فطرت مسخ ہو جاتی ہے تو اس کے ساتھ ہی اس کا نیکی کا تصور بھی مسخ ہو جاتا ہے۔ نیکی چونکہ ایک برے سے برے انسان کے بھی ضمیر کی ضرورت ہے اس لیے بجائے اس کے کہ ایک برا انسان اپنی اصلاح کر کے اپنے اعمال و کردار کو نیکی کے مطلوبہ معیار پر لے آئے‘ وہ الٹا نیکی کے معیار کو گھسیٹ کر اپنے خیالات و نظریات کی گندگی کے ڈھیر کے اندر اس کی جگہ بنانے کی کوشش کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے معاشرے میں چور‘ ڈاکو اور لٹیرے صدقہ وخیرات کرتے اور خدمتِ خلق کے بڑے بڑے کام کرتے نظر آتے ہیں اور جسم فروش عورتیں مزاروں پر دھمال ڈالتی اور نیاز بانٹتی دکھائی دیتی ہیں۔ اس طرح یہ لوگ اپنے ضمیر کی تسکین کا سامان کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ ہمارے پیشے میں قدرے قباحت کا عنصر پایا جاتا ہے تو کیا ہوا‘ اس کے ساتھ ساتھ ہم نیکی کے فلاں فلاں کام بھی تو کرتے ہیں!

اسی طرح جب مذہبی مزاج رکھنے والے لوگوں کی فطرت مسخ ہوتی ہے تو وہ کبیرہ گناہوں کی طرف سے بے حس اور صغائر کے بارے میں بہت حساس ہو جاتے ہیں۔ ایسے لوگ صغائر کے بارے میں تو بڑے زور دار مباحثے اور مناظرے کر رہے ہوتے ہیں‘ مگر کبائر کو وہ لائق اعتناء ہی نہیں سمجھتے۔ اس پس منظر میں صحیح طرزِ عمل یہ ہے کہ پہلے کبائر سے کلی طور پر اجتناب کیا جائے اور پھر اس کے بعد صغائر کی طرف توجہ کی جائے۔ بہرحال قیامت کے دن بے شمار ایسے

لوگ ہوں گے جو اپنے زعم میں بہت زیادہ نیکیاں لے کر آئے ہوں گے‘ مگر اللہ کے نزدیک ان کی نیکیوں کی کوئی حیثیت اور وقعت نہیں ہو گی۔

﴿لَا یَقْدِرُوْنَ مِمَّا کَسَبُوْا عَلٰی شَیْءٍ ؕ ذٰلِکَ ھُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِیْدُ ۝۱۸﴾ ”انہیں کچھ بھی ہاتھ نہ آئے گا اُس میں سے جو کمائی انہوں نے کی ہو گی۔ یہی تو ہے دُور کی گمراہی۔“

ان کو زعم ہو گا کہ انہوں نے دنیا میں بہت نیک کام کیے تھے‘ خدمت خلق کے بڑے بڑے پراجیکٹ شروع کر رکھے تھے‘ مگر اُس دن وہاں ان میں سے کوئی نیکی بھی ان کے کام آنے والی نہیں ہو گی۔

آیت ۱۹ ﴿اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ﴾ ”کیا تم نے دیکھا نہیں کہ اللہ نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا کیا ہے؟“

﴿اِنْ یَّشَاْ یُذْھِبْکُمْ وَیَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِیْدٍ ۝۱۹﴾ ”اگر وہ چاہے تو تم لوگوں کو لے جائے (ہلاک کر دے) اور ایک نئی مخلوق کو لے آئے۔“

اس کی قدرت‘ قوتِ تخلیق اور تخلیقی مہارت ختم تو نہیں ہو گئی‘ وہ اپنی مخلوق میں سے جس کو چاہے ختم کر دے اور جب چاہے کوئی نئی مخلوق پیدا کر دے۔

آیت ۲۰ ﴿وَّمَا ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ بِعَزِیْزٍ ۝۲۰﴾ ”اور یہ کام اللہ پر کوئی بھاری نہیں ہے۔“

آیت ۲۱ ﴿وَبَرَزُوْا لِلّٰہِ جَمِیْعًا فَقَالَ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِیْنَ اسْتَکْبَرُوْٓا اِنَّا کُنَّا لَکُمْ تَبَعًا فَھَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا مِنْ عَذَابِ اللّٰہِ مِنْ شَیْءٍ ؕ﴾ ”اور وہ اللہ کے سامنے کھڑے ہوں گے سب کے سب‘ تو کہیں گے کمزور لوگ متکبرین سے کہ ہم آپ لوگوں کے پیروکار تھے‘ تو کیا آپ اللہ کے عذاب میں سے ہمارے لیے کچھ کمی کر سکتے ہیں؟“

کمزور لوگ طاقتور لوگوں سے‘ جنہیں وہ دنیا میں اپنے سردار اور لیڈر مانتے تھے‘ کہیں گے کہ ہم آپ کے فرمانبردار تھے‘ آپ کا ہر حکم مانتے تھے‘ آپ کی خدمت کرتے تھے‘ آپ کے جھنڈے اٹھاتے تھے‘ آپ کے لیے زندہ باد کے نعرے لگاتے تھے‘ تو کیا آپ ہماری اُن خدمات کے عوض آج اس عذاب سے ہمیں کچھ رعایت دلا سکتے ہیں؟

﴿قَالُوْا لَوْ ھَدٰٮنَا اللّٰہُ لَھَدَیْنٰکُمْ ؕ﴾ ”وہ کہیں گے کہ اگر اللہ نے ہمیں ہدایت دی ہوتی تو ہم تمہیں بھی ہدایت کی راہ دکھاتے۔“

وہ کورا جواب دے دیں گے کہ ہم خود گمراہ تھے‘ سو ہم نے تمہیں بھی گمراہ کیا۔

﴿سَوَآءٌ عَلَیْنَآ اَجَزِعْنَآ اَمْ صَبَرْنَا مَا لَنَا مِنْ مَّحِیْصٍ ۝۲۱﴾ ”اب ہمارے حق میں برابر ہے‘ خواہ ہم جزع فزع کریں یا صبر کریں‘ ہمارے لیے خلاصی کی کوئی صورت نہیں۔“

اب تو یکساں ہے‘ خواہ ہم بے قراری کا مظاہرہ کریں‘ چیخیں چلائیں یا صبر کریں‘ ہمارے لیے کوئی مفر نہیں‘ ہمارے بچنے کی کوئی صورت نہیں۔

آیات ۲۲ تا ۲۳

وَقَالَ الشَّیْطٰنُ لَمَّا قُضِیَ الْاَمْرُ اِنَّ اللّٰہَ وَعَدَکُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدْتُّکُمْ فَاَخْلَفْتُکُمْ ؕ وَمَا کَانَ لِیَ عَلَیْکُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّآ اَنْ دَعَوْتُکُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِیْ ۚ فَلَا تَلُوْمُوْنِیْ وَلُوْمُوْٓا اَنْفُسَکُمْ ؕ مَآ اَنَا بِمُصْرِخِکُمْ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُصْرِخِیَّ ؕ اِنِّیْ کَفَرْتُ بِمَآ اَشْرَکْتُمُوْنِ مِنْ قَبْلُ ؕ اِنَّ الظّٰلِمِیْنَ لَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۝۲۲ وَاُدْخِلَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْھَا بِاِذْنِ رَبِّھِمْ ؕ تَحِیَّتُھُمْ فِیْھَا سَلٰمٌ ۝۲۳

آیت ۲۲ ﴿وَقَالَ الشَّیْطٰنُ لَمَّا قُضِیَ الْاَمْرُ﴾ ”اور شیطان کہے گا (اُس وقت) جب فیصلہ چکا دیا جائے گا“

جب تمام بنی نوع انسان کی قسمت کا فیصلہ ہو جائے گا اور اہلِ جنت کو جنت کی طرف اور اہلِ جہنم کو جہنم کی طرف لے جایا جا رہا ہو گا تو شیطان کہے گا:

﴿اِنَّ اللّٰہَ وَعَدَکُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدْتُّکُمْ فَاَخْلَفْتُکُمْ ؕ﴾ ”(دیکھو لوگو!) اللہ نے تم سے ایک وعدہ کیا تھا سچا وعدہ‘ اور میں نے بھی تم سے وعدے کیے تھے تو میں نے تم سے (اپنے وعدوں کی) خلاف ورزی کی۔“

﴿وَمَا کَانَ لِیَ عَلَیْکُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ﴾ ”لیکن میرے پاس تم پر کوئی اختیار نہیں تھا“

میں تم پر کسی قسم کا جبر نہیں کر سکتا تھا اور تمہیں زبردستی برائی کی طرف نہیں لا سکتا تھا۔ یہ اختیار مجھے اللہ نے دیا ہی نہیں تھا۔

﴿اِلَّاۤ اَنۡ دَعَوۡتُکُمۡ فَاسۡتَجَبۡتُمۡ لِیۡ ۚ﴾ ’’سوائے اس کے کہ میں نے تم لوگوں کو دعوت دی اور تم نے میری دعوت کو قبول کر لیا۔‘‘

میں نے تم لوگوں کو ورغلایا‘ معصیت کی دعوت دی‘ اللہ کی نافرمانیوں اور بے حیائی کے کاموں کی ترغیب دی اور تم لوگوں نے میرا کہا مان لیا۔

﴿فَلَا تَلُوۡمُوۡنِیۡ وَ لُوۡمُوۡۤا اَنۡفُسَکُمۡ ؕ﴾ ’’تو اب تم لوگ مجھے ملامت نہ کرو‘ بلکہ اپنے آپ کو ملامت کرو۔‘‘

کیونکہ اللہ تعالیٰ کے سارے احکام تمہارے سامنے تھے‘ اس کے راستے کے تمام نشانات تم پر واضح تھے۔ ان سے روگردانی کر کے تم لوگوں نے اپنی مرضی سے میرے راستے کو اختیار کیا۔ میں تمہیں زبردستی کھینچ کر اس طرف نہیں لے کر آیا۔ چنانچہ آج مجھے کوسنے کے بجائے اپنے آپ کو لعن طعن کرو۔

﴿مَاۤ اَنَا بِمُصۡرِخِکُمۡ وَ مَاۤ اَنۡتُمۡ بِمُصۡرِخِیَّ ؕ﴾ ’’اب نہ میں تمہاری فریاد رسی کر سکتا ہوں‘ نہ تم میری فریاد کو پہنچ سکتے ہو۔‘‘

﴿اِنِّیۡ کَفَرۡتُ بِمَاۤ اَشۡرَکۡتُمُوۡنِ مِنۡ قَبۡلُ ؕ﴾ ’’بلاشبہ میں انکار کرتا ہوں اس کا جو قبل ازیں تم مجھے (اللہ کا) شریک ٹھہراتے رہے تھے۔‘‘

تم نے دنیا میں جو کچھ بھی کیا تھا انتہائی غلط کیا تھا۔ تم لوگوں کو اللہ کے احکام پر عمل کرنا چاہیے تھا اور اُس کے وعدے پر اعتبار کرنا چاہیے تھا۔ تم لوگ نہ صرف اللہ کے احکام کو پس پشت ڈال کر میرا کہنا مانتے رہے بلکہ مجھے اس کے برابر کا درجہ بھی دیتے رہے۔ آج میں تمہارے ان سب اعتقادات سے اعلانِ براءت کرتا ہوں۔

﴿اِنَّ الظّٰلِمِیۡنَ لَہُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ ﴿۲۲﴾﴾ ’’یقیناً ظالموں کے لیے دردناک عذاب ہے۔‘‘

آیت ۲۳ ﴿وَ اُدۡخِلَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِہَا الۡاَنۡہٰرُ خٰلِدِیۡنَ فِیۡہَا بِاِذۡنِ رَبِّہِمۡ ؕ تَحِیَّتُہُمۡ فِیۡہَا سَلٰمٌ ﴿۲۳﴾﴾ ’’اور داخل کیے جائیں گے وہ لوگ جو ایمان لائے ہوں گے اور جنہوں نے نیک عمل کیے ہوں گے ایسے باغات میں جن کے نیچے ندیاں بہتی ہوں گی‘ وہ اس میں رہیں گے ہمیشہ ہمیش اپنے رب کے حکم سے۔ وہاں ان کی ملاقات کی دعا (ایک دوسرے پر) سلام ہوگی۔‘‘ ۞۞۞

بیسویں صدی عیسوی

میں صنم کدۂ ہند میں ”احیائے اسلام“ کی کوششوں پر ایک اہم تاریخی دستاویز

جماعتِ شیخ الہندؒ اور تنظیمِ اسلامی

- ابوالکلامؒ ’امام الہند‘ کیوں نہ بن سکے؟
- ’حزب اللہ‘ اور ’دارالارشاد‘ قائم کرنے کے منصوبے بنانے والا ”عبقریٔ وقت“ کانگرس کی نذر کیوں ہو گیا؟
- احیائے دین اور احیائے علم کی تحریکوں سے علماء کی بدظنی کیوں؟
- کیا اقامتِ دین کی جدوجہد ہمارے دینی فرائض میں شامل ہے؟
- حضرت شیخ الہندؒ کیا کیا حسرتیں لے کر اِس دنیا سے رُخصت ہوئے؟

علماءِ کرام اب بھی ’متحد‘ ہو جائیں تو ’اسلامی انقلاب‘ کی منزل دُور نہیں!

- فرائضِ دینی کا جامع تصوّر - رجم - عورت کی دیت اور دیگر مسائل پر

ڈاکٹر اسرار احمدؒ کی معرکۃ الآرا تحریروں اور خطبات کے علاوہ مؤرخِ اسلام مولانا سعید احمد اکبر آبادی، ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہان پوری، مولانا افتخار احمد فریدی، مہاجرِ کابل قاری حمید انصاری، پروفیسر محمد اسلم، مولانا محمد منظور نعمانی، مولانا اخلاق حسین قاسمی دہلوی، مولانا محمد زکریا، مولانا سیّد عنایت اللہ شاہ بخاری اور دیگر نامور علماءِ کرام اور اہلِ علم حضرات کی تحریروں پر مشتمل تاریخی مرقع

بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمدؒ کے مبسوط مقدّمے کے ساتھ

یہ کتاب کچھ عرصے سے آؤٹ آف پرنٹ تھی۔ اب اس کا نیا ایڈیشن جدید کمپیوٹر کمپوزنگ، خوبصورت ٹائٹل اور مضبوط جلد کے ساتھ زیورِ طبع سے آراستہ ہو گیا ہے!

ضخامت 620 صفحات قیمت 500 روپے

مکتبہ خُدّامُ القُرآن لاھور

قرآن اکیڈمی، 36 کے، ماڈل ٹاؤن لاہور، فون: 3-35869501(042)
فیکس: 35834000(042) ای میل: maktaba@tanzeem.org
ویب سائٹ: www.tanzeem.org

اخلاص‘ خیر خواہی اور وفاداری

بانیٔ تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

کے ۲۰/اور ۲۶/اکتوبر ۲۰۰۷ء کے خطاباتِ جمعہ

خطبۂ مسنونہ کے بعد:

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ   بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

قَالَ یٰقَوْمِ لَیْسَ بِیْ ضَلٰلَۃٌ وَّلٰکِنِّیْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۶۱﴾ اُبَلِّغُکُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّیْ وَاَنْصَحُ لَکُمْ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰہِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۲﴾ (الاعراف)

فَتَوَلّٰی عَنْھُمْ وَقَالَ یٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُکُمْ رِسَالَۃَ رَبِّیْ وَنَصَحْتُ لَکُمْ وَلٰکِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِیْنَ ﴿۷۹﴾ (الاعراف)

فَتَوَلّٰی عَنْھُمْ وَقَالَ یٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُکُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّیْ وَنَصَحْتُ لَکُمْ ۚ فَکَیْفَ اٰسٰی عَلٰی قَوْمٍ کٰفِرِیْنَ ﴿۹۳﴾ (الاعراف)

عَنْ اَبِیْ رُقَیَّۃَ تَمِیْمِ بْنِ اَوْسٍ الدَّارِیِّ رضی اللہ عنہ اَنَّ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ:

((اَلدِّیْنُ النَّصِیْحَۃُ)) قُلْنَا: لِمَنْ؟ قَالَ: ((لِلّٰہِ وَلِکِتَابِہٖ وَلِرَسُوْلِہٖ وَلِاَئِمَّۃِ الْمُسْلِمِیْنَ وَعَامَّتِھِمْ)) (۱)

’’ابورقیہ سیدنا تمیم بن اوس داری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ’’دین خیر خواہی کا نام ہے‘‘۔ ہم (صحابہ) نے کہا (خیر خواہی) کس کے لیے ہو؟ آپؐ نے فرمایا: ’’اللہ تعالیٰ کے لیے‘ اُس کی کتاب کے لیے‘ اُس کے رسول کے لیے‘ مسلمانوں کے حکمرانوں اور عوام کے لیے۔‘‘

(۱) صحیح البخاری‘ کتاب الایمان‘ باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم الدِّیْنُ النَّصِیْحَۃ لِلّٰہِ وَلِرَسُوْلِہٖ وَلِاَئِمَّۃِ الْمُسْلِمِیْنَ وَعَامَّتِھِمْ ......وصحیح مسلم‘ کتاب الایمان‘ باب بیان انَّ الدِّیْنَ النَّصِیْحَۃ۔

معزز سامعین کرام!

ان اجتماعات میں امام یحییٰ بن شرف الدین النووی رحمۃ اللہ علیہ کے شہرۂ آفاق مجموعہ احادیث ’’اربعین نوویؒ‘‘ کا سلسلہ وار مطالعہ کرایا جا رہا ہے اور آج اس کتاب کی ساتویں حدیث ہمارے زیر مطالعہ ہے۔ جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ میری یہ عادت ہے کہ میں حدیث سے مناسبت رکھنے والی کوئی نہ کوئی آیت ابتدا میں ضرور تلاوت کرتا ہوں‘ لہٰذا میں نے موضوع کی مناسبت سے سورۃ الاعراف کی چند آیات تلاوت کی ہیں۔

سورۃ الاعراف میں جہاں حضرت نوح‘ حضرت صالح‘ حضرت ہود‘ حضرت لوط اور حضرت شعیب علیہم السلام جیسے اولوالعزم رسولوں کا تذکرہ ہے وہاں بار بار نصیحت کا لفظ آیا ہے کہ ان کی دعوت و تبلیغ کی اصل روح نصیحت اور خیر خواہی تھی۔ اُن کے پیش نظر قوم پر اپنی شخصیت کا رعب گانٹھنا‘ اپنی علّامیت کی دھونس جمانا یا اپنے تقویٰ و تدین کا رعب بٹھانا نہیں تھا‘ بلکہ انبیاء و رسل تو خالصتاً لوگوں کی خیر خواہی اور ان کا بھلا چاہنے کے لیے دعوت و تبلیغ کرتے تھے۔ چنانچہ تلاوت کردہ سورۃ الاعراف کی آیات ۶۱ و ۶۲ میں حضرت نوح علیہ السلام کا تذکرہ ہے کہ جب انہوں نے اپنی قوم کے سامنے اپنی دعوت رکھی اور قوم کو اللہ کی بندگی اور اُس کی توحید کی طرف بلایا تو ان کی قوم نے کہا: اے نوح! ہمیں تو معلوم ہوتا ہے کہ تم پر کوئی دیوانگی طاری ہوگئی ہے‘ تم مخبوط الحواس ہو گئے ہو‘ اسی لیے تم ایسی بہکی بہکی باتیں کر رہے ہو جو ہماری سمجھ میں نہیں آتیں۔ حضرت نوحؑ نے اس کا جواب بایں الفاظ دیا: ﴿یٰقَوْمِ لَیْسَ بِیْ ضَلٰلَۃٌ﴾ ’’اے میری قوم کے لوگو! مجھے کوئی خبط لاحق نہیں ہوا‘‘۔ یعنی نہ میں دیوانہ ہوا ہوں اور نہ ہی پاگل ہوا ہوں۔ ﴿وَّلٰکِنِّیْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۶۱﴾﴾ ’’بلکہ میں تو تمام جہانوں کے پروردگار کا ایلچی ہوں‘‘۔ ﴿اُبَلِّغُکُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّیْ﴾ ’’میں تو تمہیں اپنے ربّ کے پیغامات پہنچا رہا ہوں‘‘۔ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں وہ اپنی طرف سے نہیں کہہ رہا‘ بلکہ بالفاظِ قرآنی: ﴿اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی ﴿۴﴾﴾ (النجم) ’’یہ تو وحی ہے (اللہ کی) جو میری طرف کی گئی ہے (اور میں تمہیں وہی پہنچا رہا ہوں)‘‘۔ ﴿وَاَنْصَحُ لَکُمْ﴾ ’’اور میں تمہارا خیر خواہ ہوں‘‘۔ یعنی میں تو تمہارے ساتھ

وفاداری اور خیر خواہی کا حق ادا کر رہا ہوں۔﴿وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿٦٢﴾﴾ ''اور مجھے اللہ کی طرف سے وہ علم حاصل ہوا ہے جو تم نہیں جانتے''۔ یعنی اگر تم نے میری بات کو رد کر دیا اور میری دعوت پر لبیک نہ کہا تو تمہاری جو شامت آنے والی ہے وہ مجھے معلوم ہے اور تم اس سے بے خبر ہو۔ میں تو تمہیں اس سے بچانے کی ہر ممکن کوشش کر رہا ہوں اور تمہیں بار بار کہہ رہا ہوں کہ تم اپنی روش کو بدلو اور عذاب کے بجائے اللہ کی رحمت کو پکارو' مگر تم ہو کہ ٹس سے مس نہیں ہوتے۔

اس طرح حضرت صالح علیہ السلام کی قوم پر بھی جب ان کی طرف سے دعوت و تبلیغ کا کوئی اثر نہ ہوا اور نتیجتاً ان پر عذابِ الٰہی آ گیا تو حضرت صالحؑ نے فرمایا:﴿یٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّیْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِیْنَ ﴿٧٩﴾﴾ ''اے میری قوم کے لوگو! میں نے تو پہنچا دیا تھا تمہیں اپنے رب کا پیغام اور میں نے تو تمہاری خیر خواہی چاہی تھی' لیکن تم ہو کہ اپنے خیر خواہوں کو پسند ہی نہیں کرتے''۔ یعنی تمہارے اندر تمیز ہی ختم ہو گئی ہے اور تم یہ پہچاننے سے قاصر ہو کہ تمہارا خیر خواہ کون ہے اور بدخواہ کون۔ تمہاری بصیرتِ باطنی زائل ہو چکی ہے اور تم اندر سے اندھے ہو گئے ہو۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ تم نصیحت کرنے والے خیر خواہ کا شکریہ ادا کرتے' مگر تمہارا معاملہ اس کے برعکس رہا اور تم نے اس کا نتیجہ بھگت لیا۔

اسی طرح کے الفاظ حضرت شعیب علیہ السلام نے بھی اپنی قوم سے کہے تھے۔ جب ان کی قوم ان کی دعوت کو رد کر کے تباہ و برباد ہو گئی تو انہوں نے بڑی ہی حسرت کے ساتھ کہا:﴿یٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّیْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ ۚ فَكَیْفَ اٰسٰی عَلٰی قَوْمٍ كٰفِرِیْنَ ﴿٩٣﴾﴾ ''اے میری قوم کے لوگو! میں نے تو تم کو اپنے پروردگار کے پیغامات پہنچا دیے تھے اور میں نے تمہاری خیر خواہی کا حق ادا کر دیا تھا' تو اب میں کافروں پر (عذاب نازل ہونے سے) رنج و افسوس کیسے کروں!'' یعنی یہ تمہارا اپنا انتخاب (choice) ہے جس کا نتیجہ تم نے بھگت لیا ہے تو میں اب تمہاری ہلاکت پر رنج کروں تو کیونکر کروں! —— یہ انتہائی رنج اور غم والا جملہ ہے کہ قوم کی تباہی کی وجہ سے حضرت شعیب علیہ السلام کی طبیعت پر

رنج و صدمہ طاری ہو رہا ہے لیکن وہ اپنے دل کو سمجھا رہے ہیں کہ میرا رنج و افسوس اب کس بات پر ہے؟ یہ تو ان کے اپنے کرتوتوں کا نتیجہ ہے جو ان پر وارد ہوا ہے۔

اب یہ لفظ ''نصیحت'' جو انبیاء و رسل علیہم السلام کے ضمن میں قرآن مجید میں بار بار آیا ہے' اسی پر ایک بہت جامع حدیث ہے جو آج ہمارے زیر مطالعہ ہے۔ یہ حدیث جوامع الکلم میں سے ہے —— میں نے اس سے پہلے بھی آپ کو بتایا ہے کہ کئی مواقع پر حضور ﷺ نے اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہونے والے خصوصی انعامات کا تذکرہ کیا ہے تو ان میں سے ایک خصوصی انعام یہ ہے کہ: ((اُوْتِیْتُ جَوَامِعَ الْكَلِمِ)) (مسند احمد) ''مجھے نہایت جامع کلمات عطا کیے گئے ہیں''۔ جوامع الکلم سے مراد یہ ہے کہ کم سے کم الفاظ میں بہت بڑی حقیقت بیان کر دینا' جیسے ہم محاورے میں کہتے ہیں: ''دریا کو کوزے میں بند کر دینا''۔ مثلاً آپ ﷺ نے روزے کے حوالے سے فرمایا:((اَلصَّوْمُ جُنَّةٌ)) (متفق علیہ) ''روزہ ڈھال ہے''۔ کہنے کو تو یہ صرف دو الفاظ ہیں' مگر ان میں معانی کا ایک جہان پوشیدہ ہے۔ اسی طرح آپ ﷺ کے اور بھی بے شمار کلمات ہیں جنہیں جوامع الکلم کہا جاتا ہے —— تو ان جوامع الکلم میں سے زیر مطالعہ حدیث بھی ہے۔

حدیث کی تشریح

اس حدیث کے راوی حضرت تمیم بن اوس الداری رضی اللہ عنہ ہیں اور ان کی کنیت ابو رقیہ ہے۔ وہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:((اَلدِّیْنُ النَّصِیْحَةُ)) ''دین تو نام ہے نصیحت (خلوص و خیر خواہی) کا'' —— اصل میں نصح کا لفظ عربی زبان میں اس شے پر بولا جاتا ہے جو اپنی اصلیت پر برقرار ہو اور اس میں کوئی شے شامل نہ کی گئی ہو۔ اسی طرح انسان کی نیت جب صاف اور شفاف ہو اور اس کے اندر کوئی کھوٹ وغیرہ شامل نہ ہو تو وہ نصیحت کہلاتی ہے۔ مثلاً فرض کیجیے کہ آپ کسی کو کسی اچھی بات کی دعوت دے رہے ہیں۔ کام تو اچھا ہے' لیکن ہو سکتا ہے کہ اس میں آپ اُس پر اپنی برتری ثابت کر رہے ہوں' تو یہ بات خالص نہیں رہی بلکہ اس کے اندر ملاوٹ آ گئی۔ خلوص و اخلاص تب ہو گا جب آپ کو صرف اُس کی خیر خواہی مطلوب ہو نہ کہ آپ کے مقصودِ نظر

اپنے علم کا رعب گانٹھنا ہو‘ یا اپنے تقویٰ کا اشتہار دینا ہو‘ یا اپنے نفس کو مطمئن کرنا ہو کہ یہ مجھ سے کمتر ہے اور میں اس سے بہتر ہوں۔ اگر یہ شے شامل ہوگئی تو اب وہ بات خالص نہیں رہی۔ یہ دودھ خالص نہیں رہا‘ اب اس کے اندر پانی ہی نہیں‘ بلکہ جوہڑ یا کسی گندی نالی کا پانی ملا دیا گیا ہے۔ تو نصح کہتے ہی اس چیز کو ہیں جو بالکل خالص ہو۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ دین تو نام ہی خیر خواہی‘ وفاداری اور خلوص و اخلاص کا ہے۔ تو یہ دین کا خلاصہ ہے۔ اس کو یوں سمجھئے کہ اللہ کا دین ایک حقیقت واحدہ ہے‘ البتہ اس کو بیان کرنے اور سمجھانے کے اسلوب جدا جدا ہیں۔ کبھی کسی حوالے سے گفتگو ہو رہی ہے‘ کبھی کسی اصطلاح میں بات ہو رہی ہے‘ کبھی اصطلاحات بدل کر کچھ اور انداز اختیار کیا گیا ہے‘ مگر جب غور کریں گے تو بات وہیں ایک نکتہ پر پہنچ جائے گی۔ اس کے لیے میں فیصل آباد میں موجود گھنٹہ گھر کی مثال دیا کرتا ہوں۔ شہر کے آٹھ بازار ہیں جو اس گھنٹہ گھر پر آ کر جمع ہو رہے ہیں۔ آپ جس دروازے اور جس بازار سے بھی داخل ہوں تو گھنٹہ گھر سامنے ہی آئے گا۔ اسی طرح دین کی حقیقت واحدہ کو بیان کرنے کے لیے بھی بے شمار اسلوب ہیں‘ جیسے کسی نے کہا ہے: ع ’’اِک پھول کا مضمون ہو تو سو رنگ سے باندھوں‘‘۔ اب یہ فصاحت و بلاغت اور قادر الکلامی کا ایک مظہر ہے کہ وہ ایک پھول کی تعریف کس انداز میں اور کن کن پہلوؤں سے کر رہا ہے۔ تو یہاں دین کی حقیقت کو ایک جملہ میں واضح کیا گیا ہے کہ دین تو نام ہی خیر خواہی اور خلوص و اخلاص کا ہے۔

اس پر حضرت تمیم بن اوس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے کہا: ((لِمَنْ؟)) یعنی اے اللہ کے رسول ﷺ! دین خیر خواہی تو ہے مگر وہ خیر خواہی اور خلوص و اخلاص کس کے ساتھ اور کس کے لیے ہے؟ اس کے جواب میں آپ ﷺ نے فرمایا: ((لِلّٰہِ وَلِکِتَابِہٖ وَلِرَسُوْلِہٖ وَلِاَئِمَّۃِ الْمُسْلِمِیْنَ وَعَامَّتِھِمْ)) ’’(۱) اللہ کے لیے‘ (۲) اُس کی کتاب کے لیے‘ (۳) اُس کے رسول کے لیے‘ (۴) مسلمانوں کے اماموں کے لیے‘ اور (۵) عام مسلمانوں کے لیے‘‘۔ گویا ایک بندۂ مسلم کو یہ پانچ وفاداریاں نبھانی ہیں۔ اس کے ایمان کا تقاضا ہے کہ پانچ اعتبارات سے اس میں خلوص اور اخلاص ہو‘ یعنی بغیر کسی

ملاوٹ اور کھوٹ (impurity) کے وہ ان پانچ کا حق ادا کرے۔

اب غور کیجیے کہ ان پانچ میں سے پہلی تین چیزیں تو وہ ہیں جن کے نصح و خیر خواہی کے چار تقاضے ہیں: (۱) ایمان: اللہ پر ایمان‘ اس کی کتاب (قرآن) پر ایمان‘ اس کے رسول (محمد ﷺ) پر ایمان۔ (۲) اطاعت: اللہ کی اطاعت‘ اُس کی کتاب کی اطاعت‘ اُس کے رسول کی اطاعت۔ (۳) محبت: اللہ سے محبت‘ اللہ کی کتاب سے محبت‘ اللہ کے رسول سے محبت۔ اور (۴) وفاداری: اللہ کے ساتھ وفاداری‘ اللہ کی کتاب سے وفاداری‘ اللہ کے رسول کے ساتھ وفاداری۔

اللہ‘ قرآن اور رسولؐ کے ساتھ خیر خواہی کا پہلا تقاضا: ایمان

دیکھئے اللہ تعالیٰ‘ قرآن مجید اور حضرت محمدؐ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نصح و خیر خواہی کا پہلا تقاضا ایمان ہے۔ ایمان کے حوالے سے بہت تفصیلی بحثیں ہیں۔ ایک قانونی و فقہی ایمان ہے جس کی بنیاد پر دنیا میں ہم ایک دوسرے کو مسلمان سمجھتے ہیں۔ اس کا تعلق اقرار باللسان سے ہے‘ یعنی کسی نے زبان سے کہا: اَشْھَدُ اَنْ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ تو اب وہ مسلمان ہے۔ اب ہمیں پتا نہیں ہے کہ وہ خلوصِ دل سے اس کا اقرار کر رہا ہے یا منافقت کے ساتھ کہہ رہا ہے۔ یہ ہم نہیں جانتے اور نہ ہی ہم اس سے بحث کر سکتے ہیں‘ اس لیے کہ اس کے دل میں اُتر کر دیکھنے کا ہمارے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ لیکن یہ بھی یاد رہے کہ یہ اصل ایمان نہیں ہے۔ یہ ایمان تو صرف دنیا میں کام آتا ہے کہ ہم ایک دوسرے کو مسلمان سمجھتے ہیں۔ اس قانونی ایمان کی ہمارے آپس کے تعلقات کے ضمن میں بہت اہمیت ہے۔ ظاہر بات ہے کہ میں مسلمان ہوں تو میری بیٹی کا نکاح کسی مسلمان ہی سے ہو سکتا ہے۔ لہٰذا مجھے دیکھنا پڑے گا کہ جدھر سے رشتہ آیا ہے وہ مسلمان بھی ہے یا نہیں! اسی طرح اسلامی ریاست کا سربراہ مسلمان ہی ہو سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج بھی چاہے اسلامی ریاست دنیا میں کہیں نہیں ہے لیکن جتنے بھی مسلمان ممالک ہیں ان میں یہ طے ہے کہ وہاں کا سربراہ مسلمان ہوگا۔ اب کون مسلمان ہے‘ کون نہیں ہے اور پھر اس کے معیارات کیا ہیں‘ یہ میں بیان کر چکا ہوں۔ یعنی جو شخص زبان سے اللہ

کی وحدانیت اور محمد ﷺ کے آخری نبی ہونے کا اقرار کرے تو وہ مسلمان شمار ہوگا۔

یہ تو قانونی ایمان ہے، جبکہ اس کے مقابلے میں ایک حقیقی ایمان ہے جو اصل میں نام ہے یقینِ قلبی کا۔ جب یہ شہادت کسی کے دل کی گہرائیوں سے نکلے تو وہ شخص حقیقی معنوں میں ''مؤمن'' ہے— علامہ اقبال کا بڑا پیارا شعر یاد آ گیا: ؎

تو عرب ہو یا عجم ہو ترا لا الٰہ الا اللہ
لغتِ غریب، جب تک ترا دل نہ دے گواہی!

عرب وہ ہے جس کی زبان عربی ہے اور اسے لا الٰہ الا اللہ کے معنی معلوم ہیں جبکہ بیچارے عجمی کو پتا ہی نہیں ہے کہ لا الٰہ الا اللہ کے معنی کیا ہیں۔ لیکن یہ الفاظ ادا کرنے والا خواہ عرب ہو یا عجم، یہ اُس شخص کی اپنی زبان کے الفاظ شمار نہیں ہوں گے جب تک کہ اس کا دل اس کی گواہی نہیں دے گا۔ اس اعتبار سے ایمان کا تقاضا صرف زبانی گواہی اور شہادت سے پورا نہیں ہوتا بلکہ اس کے لیے دل کا یقین ہونا بے حد ضروری ہے۔ البتہ اس یقینِ قلبی کے پھر مدارج اور مراحل ہیں جو ہم حدیثِ جبریل کے ضمن میں پڑھ چکے ہیں۔ ایک درجہ تو یہ ہے کہ انسان میں اس قدر یقین پیدا ہو جائے گویا وہ اپنی آنکھوں سے اللہ کو دیکھ رہا ہے۔ یہ ہمارا اسلوبِ بیان ہے۔ جس چیز کو ہم اپنی آنکھ سے دیکھ لیں اُس پر ہمارا یقین ہو جاتا ہے۔ جیسے ہزار آدمیوں نے آ کر کسی واقعہ کے بارے میں خبر دی تو ہم یہی سمجھیں گے کہ یہ ٹھیک ہی کہہ رہے ہوں گے، آخر انہیں جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت ہے، لیکن دل میں ایک خلش سی ہوگی کہ شاید ایسا نہ ہو۔ پورا یقین تب ہوگا جب اپنی آنکھوں سے خود جا کر دیکھ لیں گے۔ مثلاً کسی نے آ کر بتایا کہ فلاں جگہ آگ لگی ہوئی ہے، خود جا کر دیکھ لیا، تو یقین آ گیا۔ ایسا یقین جو بچشمِ سر مشاہدہ کرنے سے پیدا ہوتا ہے اگر اللہ پر، آخرت پر، بعث بعد الموت پر، وحی پر، فرشتوں پر، جنت پر، دوزخ پر، رسولوں پر، نبیوں پر، کتابوں پر پیدا ہو جائے تو یہ ایمان کا سب سے بڑا درجہ ہے۔ اس حوالے سے حدیثِ جبریل میں فرمایا گیا: ((اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ)) ''(احسان یہ ہے کہ) تم اللہ کی ایسے عبادت کرو گویا تم اُس کو دیکھ رہے ہو''— اس سے ایک کم تر درجہ

بیان فرما دیا گیا: ((فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ)) یعنی یہ ہر وقت مستحضر رہے کہ اللہ مجھے دیکھ رہا ہے، میں اُس کی نگاہوں میں ہوں۔ کم سے کم یہ درجہ تو ہو، ورنہ پھر یقین والی بات نہیں رہے گی۔ ویسے یقین کی گہرائی کا تو ہم اندازہ کر ہی نہیں سکتے۔ میں نے شاید پہلے بھی سلطان باہو کا ایک شعر آپ کو سنایا ہے — مجھے پنجابی زیادہ نہیں آتی اور پنجابی صوفیاء کے کلام کا میں نے خاص مطالعہ بھی نہیں کیا، لیکن بعض چیزیں جو سننے میں آتی ہیں وہ واقعتاً محسوس ہوتی ہیں کہ بہت گہری باتیں ہیں — سلطان باہو کہتے ہیں: ؎

دل دریا سمندروں ڈونگھے
کون دلاں دیاں جانے ہو!

یعنی آپ دل کو ناپ نہیں سکتے کہ یہ کتنا گہرا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دل مسکن ہے روح کا اور روح کی گہرائی کو آپ جان ہی نہیں سکتے کہ روح کا تعلق تو ذاتِ باری تعالیٰ سے ہے: ﴿يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ۭ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا ۸۵﴾ (بنی اسرائیل) ''(اے نبی ﷺ!) وہ آپ سے روح کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔ آپ کہہ دیجیے کہ روح میرے رب کے امر میں سے ہے اور تمہیں تو بہت ہی کم علم دیا گیا ہے''۔ تم روح اور اللہ کی ذات کی حقیقت کو کیا سمجھو گے؟ تم تو بس اللہ کی صفات کو سمجھنے کی کوشش کرو، اللہ کی نشانیوں پر ایمان لاؤ! اللہ کی ذات کے بارے میں تو سوچنے سے بھی روک دیا گیا ہے، اس لیے کہ وہ انسانی طاقت سے ماورا ہے اور یہ بات تکلیف ما لا یطاق کے زمرے میں آتی ہے، یعنی دماغ کو خواہ مخواہ ایک ایسی مشق میں ڈال دینا جس کی اس کے اندر طاقت ہی نہیں ہے۔

دوسرا اور تیسرا تقاضا: اطاعت اور محبت

اس کے بعد دوسرا تقاضا ہے: اطاعت، یعنی اللہ کی اطاعت، اس کی کتاب قرآن مجید کی اطاعت اور اس کے رسول حضرت محمد ﷺ کی اطاعت — پھر تیسرا تقاضا محبت ہے، یعنی صرف اطاعت نہیں بلکہ محبت کے ساتھ اطاعت مطلوب ہے، اس لیے کہ اطاعت تو مجبوراً بھی کی جاتی ہے۔ جیسے ہم انگریزوں کے مجبوراً مطیع تھے، کیونکہ ہم ان کے غلام

تھے۔ وہ یہاں آئے اور انہوں نے یہ علاقہ فتح کر لیا۔ اب ہمارے پاس اُن کی اطاعت کے علاوہ کوئی چارہ ہی نہیں تھا۔ لیکن یہ اطاعت محبت کی وجہ سے نہیں' بلکہ مجبوراً تھی۔ اسی طرح بنی اسرائیل فرعون کے غلام ہونے کی وجہ سے اس کے اطاعت گزار تھے' تو یہ بھی مجبوری کی اطاعت تھی' لیکن یہاں اللہ' اللہ کے رسول اور اللہ کی کتاب کی اطاعت مجبوراً نہیں بلکہ محبت کے جذبے سے سرشار ہو کر مطلوب ہے۔

اللہ کے لیے اطاعت + محبت = عبادت

اس ضمن میں ایک بڑا عجیب سا نکتہ ہے۔ یہ اصطلاحات کا معاملہ ہے جس کو سمجھنا چاہیے۔ اللہ کی ذات کے ساتھ اطاعت اور محبت جمع ہو جائیں تو اس کا نام عبادت ہے' اور یہی ہمارا مقصد تخلیق ہے: ﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ۝۵۶﴾ (الذّٰریٰت) ''اور میں نے جنوں اور انسانوں کو اپنی عبادت ہی کے لیے پیدا کیا ہے۔''

عبادت کے حوالے سے تفصیلی گفتگو ''اربعین نووی'' کی تیسری حدیث کے مطالعہ میں ہو چکی ہے' جس میں عبادت کا مفہوم تفصیل سے بیان کیا گیا تھا کہ لفظ عبادت عبد سے نکلا ہے جس کے معنی غلام کے ہیں۔ غلام کو ہمہ تن' ہمہ وقت اور ہمہ وجوہ اپنے آقا کی اطاعت کرنا ہوتی ہے' اس کی اپنی کوئی مرضی نہیں ہوتی۔ آقا اسے جہاں سونے کو کہے گا وہاں سونا ہوگا اور جہاں اور جس وقت جانے کو کہے گا جانا ہوگا۔ بالکل یہی عبادت کا مفہوم ہے کہ اللہ (جو ہمارا آقا ہے) کی اطاعت میں عبدیت (غلامی) کا تصور ہر وقت ذہن میں نقش رہے۔ البتہ غلامی اور عبادت میں ایک فرق ملحوظ رہے کہ غلام اپنے آقا کی اطاعت مجبوری سے کر رہا ہوتا ہے' جبکہ بندہ مجبور ہو کر نہیں بلکہ محبت الٰہی کے جذبۂ مستانہ سے سرشار ہو کر اپنی جبین نیاز کو بارگاہِ الٰہی میں اس ادا سے رکھتا ہے کہ جسم ظاہری کے روئیں روئیں سے انا عبدك' انا عبدك کی صدائے حق بلند ہوتی ہے۔ اگر ربّ العالمین کی اطاعت کلی انتہائی محبت کے ساتھ ہو تب عبادت کا حق ادا ہوتا ہے۔

اس حوالے سے میں نے یہ بھی بتایا تھا کہ ہماری عبادت کا اس مقام و مرتبہ تک پہنچنا انتہائی مشکل کام ہے' لہٰذا اس ضمن میں صحیح طرزِ عمل یہ ہوگا کہ آپ طے کر لیں کہ مجھے

چلنا اسی راستے پر ہے۔ پھر اس راہ میں نشیب و فراز آئیں گے' کہیں قدم ڈگمگائیں گے' کہیں جذبات کا غلبہ ہوگا' کبھی ناامیدی ہی ناامیدی چھائے گی اور کسی جگہ اُمید کی کرن نظر آئے گی' مگر آپ کو بندگی اور پرستش کے راستے پر مسلسل چلتے رہنا ہے۔ اگر کہیں قدم پھسل گیا' یا اندر سے نفسِ امارہ کے اُبال کے نتیجہ میں کوئی گناہ سرزد ہو گیا تو اب وہیں کیچڑ میں پڑے نہیں رہنا' کبھی بھی کسی گناہ پر مصر نہیں ہونا اور ڈیرہ ڈال کر نہیں بیٹھنا' بلکہ فوراً اللہ کی طرف رجوع کرنا ہے اور استغفار کرنا ہے۔ ہزار بار بھی گناہ سرزد ہو جائے تو توبہ کرو' اللہ معاف کر دے گا: ؎

ایں درگہِ ما درگہِ نومیدی نیست
صد بار اگر توبہ شکستی باز آ!

یعنی یہ میری درگاہ ناامیدی والی جگہ نہیں ہے' اگر سو مرتبہ پہلے بھی توبہ کر کے توڑ چکے ہو تو کوئی بات نہیں' دوبارہ توبہ کرو' میں تمہاری توبہ قبول کروں گا۔ توبہ کا دروازہ تو ما لم یغرغر کی کیفیت یعنی موت کے آثار نظر آنے سے پہلے تک ہمیشہ کے لیے کھلا ہے' لیکن یہاں یہ بھی یاد رہے کہ اگر ایک گناہ پر آپ ڈیرے جما کر بیٹھ گئے تو یہ ایک گناہ ہی تباہی' ہلاکت اور خلود فی النار کے لیے کافی ہے۔ یہ ہے عبادت کا جامع مفہوم!

رسولؐ کے لیے اطاعت + محبت = اتباع

اگر یہ اطاعت اور محبت رسول اللہ ﷺ کے لیے ہے تو یہ ''اتباع'' بنے گا۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ رسول کی عبادت نہیں' اتباع اور پیروی ہوتی ہے' جبکہ اللہ کا اتباع ممکن ہی نہیں ہے۔ اس حوالے سے یہ جان لیجیے کہ اطاعت کی جاتی ہے کسی کے حکم کی' یعنی کسی نے کہا یہ کرو' یہ نہ کرو' اور آپ نے وہ بات مان لی تو یہ اطاعت ہے۔ اتباع یہ ہے کہ کسی کی پسند اور معمولاتِ زندگی کو ملحوظ رکھتے ہوئے آپ خود سے ہی اس کی پیروی کریں۔ آپ دیکھیں کہ ان کا نہج اور انداز کیا ہے' وہ رات کو سوتے کیسے ہیں' وہ چلتے کیسے ہیں' ان کا طرزِ تخاطب کیا ہے' ان کو پسند کیا ہے۔ اگر آپ بغیر ان کی طرف سے حکم دیے ان سب باتوں کی پیروی کرتے ہیں تو یہ اتباع ہے۔ اس اعتبار سے اللہ کا اتباع تو ممکن نہیں ہے' اس

لیے اللہ کی صرف عبادت ہوگی‘ جبکہ رسول اللہ ﷺ کے حوالے سے ایسا ممکن ہے تو ان کا اتباع ہوگا۔ قرآن حکیم نے بھی ہمیں نبی اکرم ﷺ کے اتباع کا حکم دیا ہے۔ سورۂ آل عمران میں فرمایا گیا: ﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ﴾ (آیت ۳۱) ’’(اے نبی ﷺ!) ان سے کہہ دیجیے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میرا اتباع کرو‘ اللہ بھی تم سے محبت کرے گا۔‘‘

سورۂ آل عمران کی اگلی آیت میں اللہ اور رسول دونوں کے لیے اطاعت کا لفظ آیا ہے۔ فرمایا: ﴿قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ۝۳۲﴾ ’’کہہ دو کہ اللہ اور اُس کے رسولؐ کا حکم مانو۔ پھر اگر وہ نہ مانیں تو (یاد رکھیں کہ) اللہ بھی کافروں کو دوست نہیں رکھتا‘‘۔ یعنی اگر اللہ اور رسول میں سے کسی ایک کی بھی اطاعت نہیں ہے تو پھر آپ کفر کے مرتکب ہو رہے ہیں‘ چاہے یہ کفر معنوی ہے۔ خواہ آپ نے حد عبور نہیں کی اور اسلام سے نکل کر کفر میں نہیں گئے‘ لیکن یہ فعل اصلاً کفر ہوگیا۔ جیسے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ((مَنْ تَرَكَ الصَّلَاةَ مُتَعَمِّدًا فَقَدْ كَفَرَ جِهَارًا))(۱) ’’جس نے جان بوجھ کر نماز چھوڑ دی اُس نے علانیہ کفر کیا‘‘۔ ترکِ صلاۃ کافرانہ فعل ہے اور اس میں کفر مضمر ہے‘ البتہ آپ تارکِ صلاۃ کو کافر نہیں کہیں گے‘ اس لیے کہ اس نے حقیقی کفر کا ارتکاب نہیں کیا —— الغرض یہ یاد رکھیں کہ اللہ کے لیے اطاعت جمع محبت‘ عبادت بن گئی اور رسول کے لیے اطاعت جمع محبت اتباع بن گیا۔

اسی حوالے سے ایک بات اور نوٹ کیجیے کہ جب بھی ایمان یا اطاعت کا ذکر آئے گا تو اللہ کے فوراً بعد رسول کا ذکر ہوگا‘ جبکہ یہاں زیر مطالعہ حدیث میں ہم دیکھ رہے ہیں کہ اللہ کے بعد پہلے کتاب کا ذکر ہے اور پھر رسول کا — لِلّٰهِ وَلِكِتَابِهٖ وَلِرَسُوْلِهٖ —— اب یہ ترتیب بھی حکمت سے خالی نہیں ہے۔ اس میں حکمت یہ ہے کہ آمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ اور اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ میں کتاب پر ایمان اور کتاب کی اطاعت اللہ پر ایمان اور اللہ کی اطاعت ہی میں شامل ہے۔ کتاب چونکہ اللہ کا کلام ہے اس حوالے سے

(۱) الجامع الصغیر للسیوطی‘ ح:۸۵۸۷۔ مجمع الزوائد للھیثمی: ۱/ ۳۰۰۔

ہاں پر اس کو الگ ذکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے‘ لیکن یہاں خیر خواہی اور وفاداری کا تذکرہ ہے اور اللہ اور اس کی کتاب کے ساتھ وفاداری کے تقاضے چونکہ الگ الگ ہیں اس لیے یہاں کتاب کو الگ بیان کیا گیا ہے۔

چوتھا تقاضا: وفاداری

اللہ‘ اُس کے رسول ﷺ اور کتاب کے ساتھ خیر خواہی کا چوتھا تقاضا وفاداری ہے۔ یہ وفاداری مسلمانوں کے امراء اور عام لوگوں کے لیے بھی ہے‘ فرق اتنا ہے کہ ان پانچوں —— (۱) اللہ عزوجل‘ (۲) اللہ کی کتاب قرآن مجید‘ (۳) اللہ کے رسول حضرت محمد ﷺ (۴) ائمۃ المسلمین (اس کے مصداق آگے بیان ہوں گے) اور (۵) عام مسلمان یعنی عوام —— کے لیے وفاداری کے تقاضے مختلف ہیں۔ یہاں یہ ضرور یاد رکھنا چاہیے کہ ایک بندۂ مسلم کو یہ پانچ وفاداریاں نبھانی ہیں۔ ذیل میں اب ان پانچوں میں سے ہر ایک کی وفاداری اور خیر خواہی کے تقاضوں کو بیان کیا جاتا ہے۔

اللہ عزوجل کے ساتھ وفاداری کے تقاضے

اللہ تعالیٰ کے ساتھ وفاداری کا تقاضا یہ ہے کہ انفرادی سطح پر اُس کے تمام احکام پر عمل پیرا ہوا جائے اور اجتماعی سطح پر بھی اس کے قوانین کو نافذ کیا جائے۔ انفرادی سطح پر وفاداری یہ ہے کہ جن احکام پر عمل کرنا ممکن ہے‘ چاہے کتنا ہی مشکل ہو‘ ان پر عمل کیا جائے۔ اگر ایسا نہیں ہے‘ یعنی مشکل اعمال پر عمل نہیں کیا جاتا تو یہ اللہ کے ساتھ بے وفائی ہے۔ انفرادی سطح پر بے وفائی کی ایک صورت یہ ہے کہ احکامِ الٰہیہ میں تفریق کر دی جائے کہ کچھ احکام تو سر آنکھوں پر ہوں اور کچھ احکام پاؤں تلے روندے جائیں۔ اس پر قرآن مجید میں بدترین وعید آئی ہے:

﴿اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ ۭ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝۸۵﴾ (البقرۃ)

’’تو کیا تم کتاب کے ایک حصے کو مانتے ہو اور ایک کو نہیں مانتے؟ پس کوئی سزا

نہیں ہے ان کی جو یہ طرزِ عمل اختیار کریں سوائے اس کے کہ دنیا میں ذلیل وخوار
کر دیے جائیں اور آخرت میں شدید ترین عذاب میں جھونک دیے جائیں۔
اور اللہ اُس سے بے خبر نہیں ہے جو کچھ تم کر رہے ہو۔''

طاغوتی نظام کو بدلنے کی جدّوجُہد: اللہ کے ساتھ وفاداری کا لازمی تقاضا

اس حوالے سے یہ بھی یاد رہے کہ جن احکاماتِ الٰہیہ پر عمل ممکن نہیں ہے ان کا تو معاملہ ہی الگ ہے' مثلاً آج ہمارے لیے ممکن ہی نہیں ہے کہ ہم چور کا ہاتھ کاٹیں اور نہ ہی یہ ممکن ہے کہ سود سے بالکلیہ بچ جائیں۔ سود کا دخان یعنی اس کا غبار یا اس کا دھواں تو میرے اندر جائے گا ہی' لیکن براہِ راست سود میں شمولیت میرا جرم ہے' اس لیے کہ اس کو تو میں چھوڑ سکتا ہوں۔ اس اعتبار سے اللہ کے ساتھ وفاداری کا اوّلین تقاضا یہ ہے کہ شریعت کے جن احکام پر عمل ممکن ہو' چاہے کتنا ہی مشکل کیوں نہ ہو' ان پر عمل کیا جائے۔ وفاداری کا دوسرا تقاضا اجتماعی سطح پر ہے کہ جن احکام پر عمل ناممکن ہے ان پر عمل کرنے کے لیے اس نظام کو بدلنے کی جدوجہد کی جائے۔ اگر آپ جدوجہد نہیں کر رہے تو آپ اللہ کے وفادار کہاں سے ہوئے! آپ تو اللہ کے باغیوں کے وفادار ہیں جن کے ساتھ آپ تعاون کر رہے ہیں۔ جب آپ نے اللہ کے غداروں کی قیادت اور ان کی حکومت تسلیم کر لی تو اللہ کے ساتھ وفاداری کہاں رہی؟ اس لیے کہ یہ مسلّمہ اصول ہے کہ غدار کا ساتھی بھی غدار ہے۔ نائن الیون کے بعد بش نے یہ الفاظ کہے تھے:

"You are with us or against us."

یعنی یا تم ہمارے ساتھ ہو یا ہمارے دشمن ہو' درمیان میں کوئی شے نہیں ہے۔ اگر افغانستان میں ہمارا ساتھ نہیں دو گے تو ہماری دشمنی کے لیے تیار ہو جاؤ! یہ ایک بہت بڑا چیلنج تھا' جس پر ہمارا کمانڈو صدر ☆ کانپ گیا اور سارے مطالبات ایک فون کال پر تسلیم کر لیے۔ اس کی وجہ صاف ظاہر ہے کہ اللہ پر تو یقین ہے نہیں اور نہ اللہ کے ساتھ وفاداری ہے۔ چنانچہ جب ہم اللہ کے ساتھ وفادار نہیں تو وہ ہماری مدد کیوں کرے گا؟ وہ تو فرماتا ہے: ﴿اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ ۝٧﴾ (محمد) ''اگر تم اللہ کی مدد کرو

☆ ڈاکٹر صاحب کے یہ خطابات ۲۰۰۷ء کے ہیں جب جنرل پرویز مشرف پاکستان کے صدر تھے۔

گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہیں ثابت قدم رکھے گا''۔ یہ نہیں کہ تم نے تو کسی اور کی طرف رخ پھیرا ہوا ہے' اللہ کے دشمنوں کے ساتھ تمہاری دوستیاں ہیں' اور اللہ تمہاری نصرت میں لگا رہے گا' معاذ اللہ! تو جب اللہ پر بھروسہ نہیں تو پھر بش سے تو ڈرنا ہی ڈرنا ہے۔

حال ہی مجھے معلوم ہوا ہے کہ اصل میں یہ (You are with us or against us) بش کے نہیں' بلکہ حضرت مسیح علیہ السلام کے الفاظ ہیں جو بائبل میں اس طرح آئے ہیں:

"He who is not with me is against me."

تو اللہ کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے کہ میرے ساتھ ہو یا میرے خلاف ہو! درمیان میں کوئی بات نہیں۔ اگر میرے وفادار ہو تو میرے باغیوں کے خلاف تمہارا اعلانِ جنگ ہونا چاہیے۔ ان سے تعاون کیسا؟ ان کی چاکری کیسی؟ ان کو تقویت دینا چہ معنی دارد!

یہ اللہ کے ساتھ وفاداری کا کٹھن تقاضا ہے اور اس وفاداری کے بغیر عبادت کا تقاضا بھی پورا نہیں ہوتا۔ عبادت کے حوالے سے میں نے کہا تھا کہ ہمہ تن' ہمہ وقت' ہمہ جہت اللہ کی اطاعت ہو۔ جب نظام کافرانہ ہے تو آپ کی اطاعت مکمل ہو ہی نہیں سکتی' اس لیے کہ کسی باطل نظام کے تحت رہتے ہوئے آپ کُلّی اطاعت کر ہی نہیں سکتے۔ الغرض جن احکام پر عمل ممکن ہے اگر وہ بھی نہیں کرتے تو آپ مجرم ہیں' لیکن جن پر عمل ممکن نہیں ہے تو اس کے بارے میں' میں نے بارہا بیان کیا ہے کہ اس کا کفارہ یہ ہے کہ اس نظام کو بدلنے کی جدوجہد کرو' اس کے لیے تن من دھن لگاؤ۔ یہ اللہ کے ساتھ وفاداری کا تقاضا ہے' البتہ آگے اس کے درجے ضرور ہیں۔

انسدادِ منکر کے تین درجات

ہم نے یہ حدیث کئی بار پڑھی ہے:

((مَنْ رَاٰى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهٖ ، فَاِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهٖ' فَاِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهٖ ، وَذٰلِكَ اَضْعَفُ الْاِيْمَانِ)) (۱)

''تم میں سے جو شخص کسی منکر (برائی) کو دیکھے تو اسے اپنے زورِ بازو سے بدل ڈالے۔ پھر اگر اس کی طاقت نہ رکھتا ہو تو زبان سے اسے برا کہے۔ پھر اگر اس کی طاقت

(۱) صحیح مسلم' کتاب الایمان' باب بیان کون النهی عن المنکر من الایمان......

بھی نہ رکھتا ہو تو دل سے اسے برا جانے‘ اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔‘‘

ہمارے سامنے سب سے بڑا منکر طاغوت کا نظام ہے۔ کسی نے چھوٹی سی چیز چوری کر لی‘ ٹھیک ہے برا کام ہے‘ جرم ہے‘ گناہ ہے‘ مگر طاغوتی نظام جو اللہ کی بغاوت پر مشتمل ہے یہ سب سے بڑا منکر ہے۔ اس نظام (سیکولرازم) کے تصورات ملاحظہ ہوں کہ ہم کسی آسمانی ہدایت کو نہیں مانتے‘ کسی آسمانی قانون کو نہیں مانتے۔ ہم تو خود حاکم ہیں اور عوامی حاکمیت (popular sovereignty) کی بنیاد پر جمہوریت (democracy) چلے گی۔ ہم خود طے کریں گے کہ کیا جائز ہے کیا ناجائز۔ ہم چاہیں گے تو جنس پرستی کو جائز قرار دیں گے‘ ہم چاہیں گے تو زنا کو کوئی جرم یا کوئی گناہ قرار دیں گے‘ نہیں چاہیں گے تو نہیں دیں گے۔ [چنانچہ مغرب میں زنا بالرضا کوئی جرم نہیں ہے‘ البتہ اگر نابالغ لڑکی سے یا کسی سے زبردستی زنا (rape) کیا ہے تو یہ جرم ٹھہرے گا۔] اسی طرح ہمارا معاشی نظام سود پر چلے گا‘ ملینز کی لاٹریاں ہوں گی۔ ہم قحبہ گری کو قانونی تحفظ فراہم کریں گے اور سیکس ورکرز کو باقاعدہ طور پر ہیلتھ سرٹیفکیٹ اور لائسنس ایشو کریں گے کہ یہ ایڈز اور مہلک بیماریوں کے جراثیم سے پاک ہیں۔

یہ نظام یقینی طور پر اللہ کے خلاف بغاوت پر مشتمل ہے‘ بایں طور کہ اللہ نے جن چیزوں کو حرام قرار دیا ہے اس نظام میں ان تمام کو جائز قرار دیا گیا ہے۔ تو اب اللہ کے ساتھ وفاداری کا تقاضا یہ ہے کہ آپ اس نظام کو بدلنے کی جدوجہد کریں۔ ماقبل بیان کی گئی حدیث میں منکر کے خلاف تین درجات بیان کیے گئے ہیں۔ ان میں سب سے کم اور آخری درجہ یہ ہے کہ آپ کے دل میں اس باطل اور طاغوتی نظام کے خلاف شدید ترین نفرت ہو۔ آپ کو یہ پریشانی لاحق رہے کہ میں کہاں رہ رہا ہوں‘ کیوں رہ رہا ہوں۔ پھر آپ اس ماحول پھلنے پھولنے کی کوشش کرنے کے بجائے قُوتِ لایموت پر گزارہ کریں اور اپنا پورا وقت اور صلاحیت مجموعی طور پر فارغ کر کے اللہ کے دین کو قائم کرنے کی جدوجہد کریں۔ یہ تو آخری درجہ ہے۔ اس سے اوپر کا دوسرا درجہ یہ ہے کہ زبان سے اس نظام کو برا کہیں۔ یعنی اپنی زبان اور قلم سے اتنا تو کہیں کہ یہ نظام کافرانہ ہے‘ طاغوتی اور

باطل نظام ہے‘ اس لیے میں اسے تسلیم نہیں کرتا۔ سب سے اوپر تیسرا درجہ یہ ہے کہ آپ اس نظام کے خلاف ہاتھ کے ساتھ جہاد کرنے کے لیے میدان میں آ جائیں اور نظام کو جڑ سے اُکھیڑ کر دین کے نظام کو قائم کرنے کی کوشش کریں۔ یہ سب کریں گے تو اللہ کے ساتھ وفاداری کے تقاضے پورے ہوں گے‘ ورنہ بے وفائی ہی بے وفائی ہے۔

قرآن کے ساتھ وفاداری کے تقاضے

دوسرے نمبر پر ایک مسلمان کو قرآن کے ساتھ وفادار ہونا بھی لازم ہے۔ قرآن کے ساتھ وفاداری میں بھی اللہ کے ساتھ وفاداری کے سارے تقاضے آ جائیں گے۔ کتاب اللہ کے ساتھ ایک جذباتی تعلق تو ہمارے ہاں پایا جاتا ہے اور قرآن مجید کی اگر بے حرمتی ہو تو ہم تڑپ اٹھتے ہیں۔ یہ حمیت ایک جذباتی معاملہ ہے—— ایک دفعہ ہمارے ہاں قرآن مجید کی بے حرمتی پر بڑی احتجاجی مہم چلی تھی۔ اس ضمن میں مسجد شہداء میں ایک بڑا جلسہ ہوا تھا‘ آس پاس کی ساری سڑکیں عوام سے بھری پڑی تھیں۔ وہاں میں نے کہا تھا کہ اصل میں تو ہم خود قرآن کو ذبح کر رہے ہیں‘ قرآن کے احکام کو توڑ رہے ہیں‘ اصل بے حرمتی تو ہم خود کر رہے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

((مَا آمَنَ بِالْقُرْآنِ مَنِ اسْتَحَلَّ مَحَارِمَهُ)) (۱)

’’وہ شخص قرآن پر ایمان نہیں لایا جس نے اس کے حرام کو حلال ٹھہرا لیا۔‘‘

اسی طرح اگر حضور ﷺ کی توہین ہو جائے تو بجا طور پر ایک طوفان اُٹھ جائے گا‘ حالانکہ اگر دیکھا جائے تو آپ ﷺ کی توہین تو ہم خود بھی کر رہے ہیں۔ حضور ﷺ کی سنت کا اتباع نہ کر کے اور آپؐ کے احکام کو پاؤں تلے روند کر ہم خود نبی اکرم ﷺ کی گویا توہین کر رہے ہیں‘ لیکن اگر کوئی غیر مسلم توہین کر دے تو ہمارا خون کھول اٹھتا ہے۔ یہ اچھی بات ہے‘ اتنی حمیت تو ہونی چاہیے‘ لیکن یہ معاملہ صرف جذباتی ہے۔ اصل یہ ہے کہ اللہ کے ساتھ وفاداری‘ اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کے ساتھ وفاداری کے تقاضوں کو پورا کیا جائے۔

(۱) سنن الترمذی‘ ابواب فضائل القرآن‘ باب ما جاء فیمن قرأ حرفا من القرآن ماله من الأجر۔

مسلمانوں پر قرآن مجید کے پانچ حقوق

قرآن کے ساتھ وفاداری کے ضمن میں میرا کتابچہ ''مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق'' کا مطالعہ بہت مفید رہے گا۔ یہ کتابچہ میرے دو خطاباتِ جمعہ پر مشتمل ہے جو میں نے نصف صدی قبل جامع مسجد خضریٰ، سمن آباد میں دیے تھے۔ بعد میں، میں نے ازخود ترتیب دے کر انہیں ایک کتابچہ کی شکل میں شائع کیا۔ الحمد للہ! اب تک یہ کتابچہ لاکھوں کی تعداد میں چھپ چکا ہے۔ مختلف زبانوں میں اس کے ترجمے لوگوں نے خود کرا کر مجھے دیے ہیں۔ ایک صاحب نے عربی میں ترجمہ کیا۔ ایک صاحب جو کسی یونیورسٹی کے ہیڈ آف ڈیپارٹمنٹ تھے اور جن سے میں واقف بھی نہیں تھا، انہوں نے اس کا فارسی میں ترجمہ کیا۔ ایک صاحب ہیلے کالج آف کامرس میں انگلش کے پروفیسر تھے، انہوں نے انگلش میں ترجمہ کیا اور پھر چھپوانے کا اہتمام بھی خود کیا۔ اس کے علاوہ بہت سی زبانوں مثلاً سندھی، پشتو، بنگلہ، مہاراشٹر کی زبان، تامل زبان اور ہندوستان میں بہت سی زبانوں میں اس کا ترجمہ شائع ہو چکا ہے۔ ابھی پچھلے دنوں خالص ہندی میں چھپا ہوا نسخہ میرے پاس آیا۔

اس مختصر سے کتابچہ میں، میں نے قرآن مجید کے پانچ حقوق بیان کیے ہیں۔ اگر آپ ان پانچ حقوق کو ادا کرتے ہیں تو پھر آپ قرآن کے ساتھ وفادار ہیں، ورنہ نہیں۔ وہ پانچ حقوق یہ ہیں:

پہلا حق: ایمان و تعظیم: یعنی اس پر یقین والا ایمان ہو اور پھر اس کے نتیجے میں اس کی تعظیم ہو۔ یہ تعظیم ظاہری بھی ہو کہ گر گیا تو آپ نے اٹھا کر چوما اور کچھ مال خیرات کر دیا۔ اسی طرح اس کو اونچی جگہ پر رکھنا اور وضو کے بغیر اس کو ہاتھ نہ لگانا' یہ سب چیزیں اس کی تعظیم میں شامل ہیں۔ لیکن اس کی حقیقی تعظیم یہ ہے کہ اس کے احکام کو مانو' ان پر عمل کرو۔ اگر احکام پر عمل پیرا نہیں ہوتے تو پھر ظاہر بات ہے کہ آپ اس کی حقیقی تعظیم نہیں کر رہے۔

دوسرا حق: تلاوت و ترتیل: یعنی اسے پڑھو جیسے کہ پڑھنے کا حق ہے: ﴿اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ یَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ﴾ (البقرۃ:۱۲۱) ''وہ لوگ جن کو ہم نے کتاب دی

ہے وہ اس کی تلاوت کرتے ہیں جیسے اس کی تلاوت کا حق ہے''— قرآن کی تلاوت کا حق اور اس کی ادائیگی کی شرائط بھی ہیں' مثلاً تجوید کے ساتھ پڑھنا' روزانہ کا معمول بنانا' خوش الحانی سے تلاوت کرنا' آدابِ ظاہری و باطنی کا خیال رکھنا' اور ترتیل کے ساتھ پڑھنا' یعنی نماز اور خصوصاً نمازِ تہجد میں قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر توقف سے پڑھنا۔

تیسرا حق: تذکر و تدبر: یعنی اسے سمجھو جیسے کہ سمجھنے کا حق ہے۔ اس کے دو درجے ہیں: تذکر بالقرآن اور تدبر بالقرآن' یعنی قرآن سے نصیحت حاصل کرنا اور قرآن مجید کی آیات میں غور و فکر کرنا۔

چوتھا حق: حکم و اقامت: یعنی ہر مسلمان اس کے اَحکام کو مانے' اس پر عمل کرے اور اسی کو اپنے درمیان حَکَم (منصف) بنائے۔

پانچواں حق: تبلیغ و تبیین: یعنی اسے پہنچاؤ' اس کی تبلیغ کرو اور اسے عام کرو۔ تبیین' تبلیغ کا بلند ترین درجہ ہے — الغرض یہ پانچ حق ادا کریں گے تو آپ قرآن کے ساتھ وفاداری کا حق نبھا رہے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کے ساتھ وفاداری کے تقاضے

رسول اللہ ﷺ کے ساتھ وفاداری کے چار تقاضے سورۃ الاعراف کی ایک آیت میں بیان کیے گئے ہیں۔ فرمایا:

﴿فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۵۷﴾﴾ (الاعراف)

''تو جو لوگ ان پر ایمان لائے' اور ان کی تعظیم کی' اور ان کی مدد کی' اور جو نور ان کے ساتھ نازل ہوا ہے اس کی پیروی کی' تو یہی مراد پانے والے ہیں۔''

اس آیت میں رسول اللہ ﷺ کے چار حقوق کا تذکرہ ہے' جن کے ادا کرنے سے ہی رسولؐ کے ساتھ وفاداری کا حق ادا ہو گا۔

پہلا تقاضا: ایمان: رسول اللہ ﷺ کے ساتھ وفاداری کا پہلا تقاضا ایمان ہے' یعنی آپؐ پر دلی یقین والا ایمان ہو۔ اس حوالے سے تفصیلی گفتگو ماقبل ہو گئی ہے۔

دوسرا تقاضا: تعظیمِ رسولؐ: دوسرا تقاضا یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی کما حقہٗ تعظیم ہو۔ جب آپ کے سامنے رسول اللہ ﷺ کا نام لیا جائے اور آپ ان پر درود نہ بھیجیں تو آپ گویا رسول اللہ ﷺ کی توہین کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر تو یہ بھی لازم تھا کہ ان کی آواز حضور ﷺ کی آواز سے اونچی نہ ہو جائے۔ اس حوالے سے سورۃ الحجرات میں فرمایا گیا:

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَ لَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ۝۲﴾ (الحجرات)

''اے اہل ایمان! اپنی آوازیں پیغمبرؐ کی آواز سے اونچی نہ کرو' اور جس طرح آپس میں ایک دوسرے سے زور سے بولتے ہو (اس طرح) ان کے روبرو زور سے نہ بولا کرو' مبادا تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں اور تم کو خبر بھی نہ ہو۔''

یعنی رسول اللہ ﷺ سے بلند آواز سے اس طرح بات نہ کر بیٹھنا جیسے کہ آپس میں ایک دوسرے سے کر لیتے ہو۔ میری اور آپ کی کسی بات پر بحث ہو رہی ہے' آپ نے زور سے آواز بلند کی تو میں نے آپ سے بڑھ کر آواز بلند کی۔ یہ ہم آپس میں تو کر سکتے ہیں' لیکن اگر ایسا معاملہ رسول اللہ ﷺ سے کیا تو سارے اعمال حبط ہو جائیں گے۔

اس قرآنی حکم ﴿لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ﴾ پر عمل کی ہمارے لیے صورت یہ ہے کہ کسی موضوع پر میں اپنا خیال پیش کر رہا ہوں' آپ اپنا خیال پیش کر رہے ہیں۔ آپ نے اپنی رائے پر نبی اکرم ﷺ کی ایک حدیث بیان کی' تو اس قرآنی حکم کا تقاضا یہ ہے کہ اب میری زبان بند ہو جانی چاہیے۔ اس کے بعد بھی اگر میں کچھ کہتا ہوں تو یہ رسول اللہ ﷺ کی توہین ہے اور میں اس قرآنی حکم کے خلاف کر رہا ہوں۔ ہاں بعد میں مَیں تحقیق کروں گا کہ یہ حدیث جو بیان کی گئی ہے صحیح ہے یا نہیں' اس کی سند درست ہے یا نہیں' محدثین کے ہاں اس حدیث کا کیا مقام ہے' اسماء الرجال کے ماہرین اس حدیث کے بارے میں کیا کہتے ہیں۔ بعد میں تحقیق تو کروں گا' مگر اُس وقت میری زبان بند ہو جانی چاہیے۔ اگر ہم یہ نہیں کرتے اور اپنی رائے پر ڈٹے رہتے

ہیں تو گویا ہم نے رسول کی آواز سے اپنی آواز کو بلند کر دیا۔

تیسرا تقاضا: نصرتِ رسولؐ: رسول اللہ ﷺ کے ساتھ وفاداری کا تیسرا تقاضا یہ ہے کہ آپ ﷺ کی مدد کی جائے۔ اب مدد کس کام میں کرنی ہے' یہ بہت اہم بات ہے۔ اس بارے میں نوٹ کر لیجیے کہ رسول اللہ ﷺ کی مدد سے اللہ کے دین کو غالب و نافذ کرنے کی جدوجہد مراد ہے۔ اللہ کے ساتھ وفاداری کا بھی یہی تقاضا ہے کہ اُس کے دین کی مدد کی جائے۔ اس اعتبار سے یہاں اللہ اور رسول کے ساتھ خلوص اور اخلاص جڑ گئے ہیں کہ اللہ کے دین کو قائم کرنا میرے ایمان کا تقاضا بھی ہے اور رسول اللہ ﷺ کا فرضِ منصبی یہی تھا۔ لہٰذا آپؐ کی نصرت اسی کام کے لیے ہے۔ آپ ﷺ نے اپنی حکومت بنانے کے لیے تو کوئی جدوجہد نہیں کی تھی۔ وہ تو جب آپؐ مدینہ تشریف لائے تو آپ ہی سربراہِ مملکت اور وقت کے خلیفہ تھے' لیکن اس وقت بھی آپؐ کے گھر میں فاقے تھے' اس وقت بھی کئی کئی دن آپؐ کے گھر کے چولہے میں آگ نہیں جلتی تھی۔ تو آپؐ نے اپنی سلطنت' اپنی حکومت یا اپنی کوئی جائیداد نہیں بنائی۔ اس میں تو کوئی شک ہی نہیں کہ بنی نوعِ انسان کے سب سے زیادہ باصلاحیت انسان نبی آخر الزماں حضرت محمد ﷺ تھے' لیکن آپؐ نے اپنی ان صلاحیتوں اور توانائیوں سے اپنی ذات کے لیے کبھی کچھ حاصل نہیں کیا۔ تو یہاں نصرتِ رسولؐ وہی اللہ کے دین کو قائم کرنے کے لیے ہے اور یہ معرکہ ابھی بھی جاری ہے۔

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغِ مصطفوی سے شرارِ بولہبی

بلکہ اب ایک مرتبہ پھر یہ بھٹی بہت دہکنے والی ہے۔ ایک بہت بڑی جنگ —— احادیث میں جس کو ''المَلحمَۃ العُظمٰی'' کہا گیا ہے —— ہونے والی ہے جو پچھلی صدی کی دونوں عالمی جنگوں کو مات دے جائے گی۔ ان جنگوں میں بھی کروڑوں انسان قتل ہوئے تھے' اب بھی کروڑوں قتل ہوں گے۔ یہ جنگ زیادہ دور نہیں ہے' اس کے لیے سٹیج تیار ہو رہا ہے۔ بہرحال اب بھی اگر آپ اطمینان سے بیٹھے ہیں اور غلبۂ دین کی جدوجہد

میں حصہ نہیں لے رہے تو گویا آپ نہ اللہ کے دین کی وفاداری کا ثبوت دے رہے ہیں اور نہ رسول اللہ ﷺ کی نصرت کا تقاضا پورا کر رہے ہیں۔

حضور اکرم ﷺ نے خبر دی ہے کہ قیامت سے پہلے کل روئے ارضی پر خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کا نظام قائم ہوگا۔ اب اس جدوجہد میں جو لوگ اپنا حصہ ڈالیں گے وہ کامیاب ہو جائیں گے اور جو اپنے دھندوں میں مگن رہ کر اپنی زندگی گزاریں گے‘ یا جن کے پیش نظر وہی معاش کی بھاگ دوڑ‘ وہی صرف اپنے اور اپنے اہل وعیال کی فکر رہے گی‘ یا جن کے پیش نظر صرف دنیوی مستقبل رہے گا‘ جبکہ دینی یا اُخروی مستقبل سے انہیں کوئی غرض ہی نہیں ہوگی تو وہ محروم رہ جائیں گے۔ البتہ یہ یاد رکھیے کہ چاہے آپ اس معرکہ میں شامل ہوں یا نہ ہوں‘ یہ لازماً ہو کر رہے گا۔ اس کی خبر علامہ اقبال بھی ساٹھ سال پہلے دے گئے ہیں: ؎

دنیا کو ہے پھر معرکۂ روح و بدن پیش
تہذیب نے پھر اپنے درندوں کو ابھارا
اللہ کو پامردیٔ مؤمن پہ بھروسا
ابلیس کو یورپ کی مشینوں کا سہارا

رسول اللہ ﷺ انتہائی غیور انسان تھے!

نصرتِ رسولؐ کے ضمن میں آپ کو یہ بھی بتانا چاہتا ہوں کہ محمدؐ رسول اللہ ﷺ انتہائی غیور انسان تھے‘ آپؐ نے کبھی کسی سے سوال نہیں کیا۔ میری آنکھوں میں ہمیشہ آنسو آ جاتے ہیں جب بھی میں وہ واقعہ بیان کرتا ہوں کہ ہجرت کا حکم تو آ گیا تھا‘ لیکن حضور ﷺ کو ابھی مکہ چھوڑنے کا حکم (express permission) نہیں ہوا تھا —— اور رسول اُس وقت تک اپنی جگہ سے نہیں ہل سکتا جب تک کہ اللہ کی طرف سے اسے اپنی بستی چھوڑنے کا حکم نہ آ جائے۔ حضرت یونس علیہ السلام سے یہی غلطی ہوئی تھی‘ چنانچہ ان کی گرفت ہوئی —— اس موقع پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے طور پر دو اونٹنیاں خوب کھلا پلا کر تیار کی ہوئی تھیں تاکہ انہیں راستے میں غذا کی ضرورت پیش نہ آئے‘ اور اونٹ میں یہ صلاحیت

ہوتی ہے کہ وہ کئی دن بغیر کھائے پیے زندہ رہ سکتا ہے۔ ایک دن اچانک دوپہر کے وقت حضور ﷺ اپنا چہرۂ مبارک اپنے عمامہ میں لپیٹے ہوئے تشریف لائے۔ گھر والوں نے دور سے دیکھا تو انہیں حیرانی ہوئی‘ اس لیے کہ یہ وقت تو ملاقات کا نہیں ہے —— عام طور پر ظہر وعصر کے درمیان کسی کو ملنے جانا اہل عرب کے ہاں آداب کے خلاف ہے‘ اس لیے کہ یہ قیلولے کا وقت ہوتا ہے۔ اس وقت بازار بھی بند ہو جاتے ہیں —— خیر حضور اکرم ﷺ تشریف لائے اور فرمایا: ابوبکر! اجازت آ گئی ہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے خوشی سے (اس خیال سے کہ حضور ﷺ شاباش دیں گے) عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! میں نے دو اونٹنیاں تیار کر رکھی ہیں۔ آپؐ نے ذرا سا توقف فرمایا اور کہا: اچھا ٹھیک ہے‘ میں ایک استعمال کروں گا لیکن اس کی قیمت ادا کروں گا۔ یہ سن کر حضرت ابوبکرؓ رو پڑے کہ حضور ﷺ میرے ساتھ یہ مغائرت!

حضرت ابوبکر کا مقام تو دیکھیں کہ آپؓ نے اپنا سارا اثاثہ حضور ﷺ کے مشن میں لٹا دیا‘ جو بچا کھچا تھا وہ ساتھ لے گئے اور گھر میں ایک پیسہ تک نہیں چھوڑا‘ حالانکہ گھر میں پیچھے بیٹیاں تھیں‘ بیوی تھی‘ اندھا بوڑھا باپ ابوقحافہ تھا۔ پھر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں آپ ﷺ نے ایک اشارہ کیا تھا کہ عائشہ کی مجھ سے شادی کرا دیں تو صرف ایک جملہ کہا تھا کہ وہ تو آپ کی بھتیجی ہے‘ یعنی میں آپ کا دینی بھائی ہوں۔ آپؐ نے فرمایا: دینی اخوت کا معاملہ قانونی اور شرعی اخوت سے علیحدہ ہے۔ آپؓ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا حضور ﷺ کے نکاح میں دے دی‘ حالانکہ حضرت عائشہ کی عمر اُس وقت چھ سال تھی۔ رخصتی اگرچہ بعد میں نو سال کی عمر میں ہوئی‘ لیکن چھ سال کی عمر میں نکاح تو ہو گیا —— بہرحال اس ساری گفتگو کا حاصل یہ ہے کہ حضور ﷺ بہت غیور تھے اور آپؐ نے اپنی ذات کے لیے کبھی کسی سے کوئی سوال نہیں کیا۔ سوال اگر تھا تو یہ کہ اللہ نے میرے ذمے بہت بڑا بوجھ ڈالا ہے کہ میں اُس کے دین کو غالب کروں‘ تو کون ہے اس راستے میں میرا مددگار؟ اس معاملے میں آپ سائل بن کر در در گئے ہیں‘ عام لوگوں سے بھی ملے ہیں اور قبیلوں کے سرداروں سے بھی جا کر ملے ہیں اور ان سے

درخواست کی ہے کہ میرا ساتھ دو۔ تو رسول اللہ ﷺ سے وفاداری کا تیسرا تقاضا یہ ہے کہ اللہ کے دین کی مدد کی جائے۔

چوتھا تقاضا: قرآن کی پیروی: رسول اللہ ﷺ سے وفاداری کا چوتھا تقاضا جو اس آیت میں بیان کیا گیا وہ یہ ہے کہ جو نور یعنی قرآن آپؐ کے ساتھ نازل کیا گیا اس کی پیروی کی جائے۔ اس حوالے سے بھی تفصیلی گفتگو ماقبل بیان ہوگئی ہے کہ قرآن کے ساتھ وفاداری کے پانچ حقوق ہیں۔ ان حقوق کو بجالانے سے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ وفاداری کا ایک حق بھی ادا ہو جائے گا۔ اس اعتبار سے یہاں رسول اور قرآن کے ساتھ وفاداری کے تقاضے جڑ گئے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کے ساتھ وفاداری اور خیر خواہی کے تقاضے کے حوالے سے بھی میرا ایک کتابچہ ''نبی اکرم ﷺ سے ہمارے تعلق کی بنیادیں'' موجود ہے۔ یہ میری ایک تقریر پر مشتمل ہے جو میں نے اوائل ۱۹۷۳ء میں ناظم آباد کراچی کی ایک جامع مسجد میں ماہِ ربیع الاول کی مناسبت سے کی تھی۔ اس کتاب کو معمولی حک و اضافہ کے ساتھ ۱۹۷۴ء میں کراچی ہی سے شائع کر دیا گیا۔ میری خواہش یہ تھی کہ اسے از سرِ نو مرتب کر کے ''مسلمانوں پر نبی اکرم ﷺ کے حقوق'' کے عنوان سے شائع کروں' لیکن بوجوہ اس کی نوبت نہ آئی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں نبی اکرم ﷺ کے ساتھ اپنے تعلقات کی اساسات اور ان کے مضمرات کا صحیح فہم بھی عطا فرمائے اور ان پر عملاً کاربند ہونے کی توفیق بھی مرحمت فرمائے۔ آمین!

ائمۃُ المُسلمین کے ساتھ نُصح و خیر خواہی کے تقاضے

اللہ' کتاب اللہ اور رسول اللہ ﷺ کے بعد اب باری آتی ہے مسلمانوں کے اُمراء کی خیر خواہی اور وفاداری کی۔ اس کے بعد آخر میں عام مسلمانوں کی خیر خواہی کا تذکرہ ہے۔ غور طلب بات یہ ہے کہ ائمہ کو پہلے اور عوام کو بعد میں کیوں لایا گیا۔ اس لیے کہ ائمہ کی بھلائی سے کروڑوں کا بھلا ہوتا ہے' جبکہ عوام کی بھلائی سے صرف انہی کا بھلا ہوگا۔ جیسے کہا جاتا ہے کہ ایک لڑکے کی تعلیم سے ایک مرد ہی سنورتا ہے' جبکہ ایک لڑکی کی تعلیم سے ایک پورا خاندان سنورتا ہے۔ اسی طرح کا معاملہ ائمہ اور عوام کا ہے۔ اگر کوئی

کہیں پر امام ہے' صاحب الامر ہے' اس کے ہاتھ میں اختیارات ہیں تو اس کی ایک غلطی یا کوتاہی سے لاکھوں انسانوں پر اس کے منفی اثرات پڑیں گے اور اس کی ایک بھلائی اور ایک نیکی کی برکات لاکھوں اور کروڑوں انسانوں تک پہنچیں گی۔ لہٰذا ''اَئِمَّةُ الْمُسْلِمِيْنَ'' کو مقدم کیا گیا اور ''عَامَّتِهِمْ'' یعنی عام مسلمانوں کو اخیر میں رکھا گیا۔

ائمہ کی نصح و خیر خواہی کے تقاضوں کو بیان کرنے سے پہلے ایک بات یہ ذہن نشین کر لیں کہ مسلمانوں کے امراء سے مراد کون ہیں؟ ٹھیک ہے مسجد کا امام بھی امام تو ہے' لیکن آج ہمارے ہاں اس کی جو پوزیشن ہے وہ آپ کو معلوم ہے۔ بقولِ اقبال ؎

قوم کیا چیز ہے' قوموں کی امامت کیا ہے
اس کو کیا سمجھیں یہ بے چارے دو رکعت کے امام!

بہرحال اصل امام تو وہ ہیں جو ایوانِ حکومت میں بیٹھے ہیں۔ وہ چاہے مرکزی یا صوبائی ارکانِ اسمبلی ہوں یا آپ کے ہاں کی کسی ذیلی حکومت یا بلدیاتی نظام کے منتخب رکن ہوں' اصل امام تو وہ ہیں۔ پھر یہ کہ جماعتوں اور تحریکوں کے امراء ہیں' اور پھر ہر گھر کا سربراہ (head) بھی اس گھر کا امیر ہے۔ جیسے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ((كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ)) (۱) ''تم میں سے ہر شخص راعی ہے اور ہر ایک سے اس کی رعیت کے بارے میں پوچھ گچھ ہوگی''۔ تو ائمۃ المُسلمین سے گھر کا سربراہ' جماعتوں اور تحریکوں کے امراء' اور اربابِ حکومت درجہ بدرجہ سب مراد ہیں۔

پہلا تقاضا: اطاعت فی المعروف: امراء کی خیر خواہی کا پہلا تقاضا اطاعت فی المعروف ہے' یعنی معروف میں ان کی اطاعت کی جائے۔ معروف سے مراد ہر وہ بھلا کام ہے جو شریعت کے خلاف نہ ہو — میں نے آپ کو حلال و حرام کے حوالے سے اسلام کا یہ اصول بتایا تھا کہ جس شے کی حرمت ثابت نہیں وہ حلال ہے۔ یہ نہیں ہے کہ جس کی حلت ثابت نہیں وہ حرام ہے۔ اس طرح حلال اور اس کے ضمن میں معروف کا دائرہ بہت وسیع

(۱) صحیح البخاری' کتاب الجمعة' باب الجمعة فی القری والمدن۔ وصحیح مسلم' کتاب الامارة' باب فضیلة الامام العادل وعقوبة الجائر......

ہے۔ اب اگر امراء کوئی ایسا حکم دیں جو چاہے قرآن وسنت پر مبنی نہیں ہے لیکن قرآن وسنت کے خلاف بھی نہیں ہے تو ان کی اطاعت کی جائے گی‘ اس لیے کہ یہ معروف کے ضمن میں ہے۔

دوسرا تقاضا: عدمِ تنازع: اُمراء کے ساتھ خیر خواہی اور وفاداری کا دوسرا تقاضا ’’عدمِ تنازع‘‘ ہے‘ یعنی نہ تو ان کے ساتھ جھگڑنا ہے اور نہ کھینچ تان کرنی ہے‘ بلکہ ان کے ساتھ تعاون کرنا اور ان کی بھلائی چاہنا ہے۔ یہ تقاضا ’’عدمِ تنازع‘‘ آج کے دور میں بہت اہمیت اختیار کر گیا ہے۔ اس لیے کہ آج کی دنیا میں جمہوری تماشے کا جو سلسلہ چل رہا ہے اس میں درحقیقت تنازع پیدا ہوتا ہے کہ تم اقتدار سے ہٹ جاؤ‘ اب ہم آئیں گے۔ یہ خالص غیر اسلامی کام ہے۔ ہاں ان سے مطالبہ کرو کہ خلافِ اسلام چیزیں ختم کرو‘ اسلام کے احکام نافذ کرو۔ اس حد تک تو ٹھیک ہے‘ لیکن اس سے آگے بڑھ کر یہ کہنا کہ تم ہٹو ہم اقتدار میں آئیں گے‘ یہ مغربی جمہوریت کی روح ہے۔

آپ کے علم میں ہوگا کہ خلفائے راشدین کیسی کیسی تکلیفیں برداشت کیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت عمر فاروق ؓ منبر پر خطبہ دے رہے تھے کہ ایک درویش صحابی حضرت سلمان فارسی ؓ —— جن کو حضور ﷺ نے خود اپنے اہل بیت میں سے قرار دیا: ((سَلْمَانُ مِنَّا اَهْلَ الْبَيْتِ)) (۱) —— ایک پھٹی پرانی چادر لیے ہوئے کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے: لَا سَمْعَ وَلَا طَاعَةَ یعنی نہ سنیں گے اور نہ مانیں گے! حضرت عمرؓ نے یہ نہیں کہا کہ بیٹھ جاؤ! بلکہ کہا: کیا بات ہے سلمان؟ حضرت سلمان فارسیؓ نے کہا: آپ نے جو کُرتا پہن رکھا ہے یہ اُن یمنی چادروں سے بنا ہے جو مالِ غنیمت میں آئی تھیں اور ہر مسلمان کو جتنا کپڑا اس میں سے ملا ہے اس سے کُرتا نہیں بنتا‘ جبکہ آپ تو ہم میں سے ویسے بھی طویل القامت انسان ہیں‘ تو آپ کا کُرتا کیسے بن گیا؟ بھرے مجمع میں حضرت سلمان فارسیؓ کی اتنی سخت بات پر حضرت عمرؓ نہ تو غصے میں آئے اور نہ یہ کہا کہ یہ میرا انفرادی معاملہ ہے‘ بلکہ بیٹے سے کہا: عبداللہ! تم جواب دو۔ انہوں نے اس معاملے کو justify کیا

(۱) الجامع الصغیر للسیوطی‘ ح:٤٦٩٦۔ مجمع الزوائد للھیثمی:١٣٣/٦۔

کہ مالِ غنیمت میں ملنے والے کپڑے سے نہ میرا کُرتا بن رہا تھا اور نہ ابا جان کا۔ میں نے اپنے حصے کا کپڑا ابا جان کو دے دیا تو ان کا کُرتا بن گیا۔ یہ سنتے ہی حضرت سلمان فارسیؓ نے فوراً کہا: **الآن نَسمع ونُطیع** ’’اب ہم سنیں گے بھی اور اطاعت بھی کریں گے‘‘۔ یہ ہے اصل میں اسلامی جمہوریت۔ یہاں وہ رسہ کشی نہیں جو ہماری جمہوریت میں ہوتی ہے کہ جیسے ہی حکومت بنی‘ اپوزیشن نے حکومت کے خلاف سازشیں شروع کر دیں۔ جھوٹے الزامات لگاؤ‘ جھوٹے پروپیگنڈے کے طوفان کھڑے کر دو‘ جو بھی کرو‘ ان کی ٹانگ تو گھسیٹنی ہی گھسیٹنی ہے۔

اس حوالے سے یہ یاد رکھیں کہ بدقسمتی سے یہ سب ہمارے ہاں ہوتا ہے ورنہ مغرب کی جمہوریت میں بھی ایسا نہیں ہے۔ وہاں ایک اپوزیشن ہوتی ہے جو چیک اینڈ بیلنس رکھتی ہے۔ وہ تنقید بھی کرتی ہے‘ لیکن وہ تسلیم کر لیتی ہے کہ پانچ سال تک ان کی حکومت رہے گی۔ اس میں جو بھی بہتری (improvemnet) ہو سکے گی وہ ہم کروائیں گے‘ جہاں کسی غلط رجحان کو رکوا سکے تو رکوائیں گے‘ لیکن یہ کہ اربابِ حکومت کے خلاف جھوٹ کے طوفان کھڑے کر کے‘ غلط پروپیگنڈے کر کے اور ان کو ذلیل و رسوا کر کے ان کی حکومت کو کمزور کیا جائے یا ان کی حکومت کا خاتمہ کیا جائے‘ ایسا نہیں ہوتا۔

تیسرا اور چوتھا تقاضا: صائب مشورہ اور مثبت تنقید: اُمراء کے ساتھ خیر خواہی کا تیسرا تقاضا ان کو صائب مشورہ دینا ہے۔ صحیح مشورہ دینا امراء کی بہترین خیر خواہی ہوتی ہے۔ اسی طرح خیر خواہانہ تنقید اُمراء کے ساتھ وفاداری کا چوتھا تقاضا ہے‘ لیکن یہ یاد رہے کہ یہ تنقید ان کی بھلائی کے لیے ہو نہ کہ ان کو نیچا دکھانے اور ان پر اپنی فوقیت جتانے کے لیے۔ اسی طرح آپ کے دل میں یہ خیال بھی پیدا نہ ہو کہ اگر میں نے ان کو اچھی بات بتا دی اور یہ اسے کر گزرے تو ان کی حکومت اور مضبوط ہو جائے گی‘ لہٰذا انہیں بھٹکنے دو۔ یہ جتنا بھٹکیں گے اتنا ہی ہمیں ان کو بدنام کرنے کا موقع ملے گا۔ اس کے برعکس مثبت اور تعمیری تنقید ہونی چاہیے۔ اس کا اندازہ اس شخص کو ہو جاتا ہے جس پر تنقید کی جا رہی ہے۔ اس کا دل گواہی دے گا کہ یہ شخص کس نیت سے تنقید کر رہا ہے ع ’’دل را بہ دل

رابیت'' یعنی دل کو دل سے راہ ہوتی ہے۔ چاہے زبان سے وہ بات نہیں نکلی ہے لیکن میرے دل میں وہ بات آ گئی ہے جو آپ کے دل میں ہے — آج تو دنیا میں حواسِ خمسہ یعنی دیکھنا' سننا' سونگھنا چکھنا اور چھونا کے علاوہ extra censory perceptions کو بھی تسلیم کیا جاتا ہے۔

پانچواں تقاضا: ظالم وفاسق حکمران سے نجات: اُمراء کی خیر خواہی کے حوالے سے

پانچواں تقاضا یہ ہے کہ اگر وہ شریعت کے خلاف حکم دے رہے ہوں' یا شریعت کے خلاف حکم تو نہیں دے رہے' لیکن ان کے طرزِ عمل میں ظلم ہے' استبداد ہے' اور اپنی ذات میں فسق وفجور ہے تو ان کو تبدیل کرنے کے لیے جدوجہد کرنا ان کے ساتھ بھی خیر خواہی ہے اور عوام کے ساتھ بھی۔ ظاہر بات ہے کہ امراء کے فسق وفجور کے اثرات عوام تک پہنچیں گے' اس لیے کہ لوگ اپنے بادشاہوں کے انداز کو اختیار کرتے ہیں —— اس حوالے سے ایک حدیث بھی بیان کی جاتی ہے: ((اَلنَّاسُ عَلٰی دِیْنِ مُلُوْکِھِمْ)) (۱) کہ لوگ اپنے بادشاہوں کے دین پر ہوتے ہیں۔ آج بھی ایسا ہی ہے کہ لوگ اپنے لیڈروں کے نقش قدم پر چلتے ہیں اور کسی ایک لیڈر کا فسق وفجور کروڑوں کے لیے فسق وفجور کی دلیل بن جاتا ہے۔ ہمارے بڑے بڑے لیڈر داڑھی منڈاتے ہیں۔ چنانچہ آج داڑھی منڈانے کے لیے سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ محمد علی جناح اور علامہ اقبال کی تو داڑھی نہیں تھی۔ واضح رہے کہ یہ ہمارے لیے کوئی دلیل نہیں ہے' محمد علی جناح اور علامہ اقبال کا کوئی فعل ہمارے لیے قابل تقلید نہیں ہے۔ ہمارے لیے تو بس ایک ہی ذات میں ابدی اُسوہ ہے اور وہ ذات ہے نبی آخر الزماں حضرت محمد ﷺ کی۔ البتہ محمد علی جناح نے قوم کی بھلائی اور علامہ اقبال نے قوم کی نظری وفکری راہنمائی کے لیے جو کچھ کیا اس کی قدردانی کیجیے۔ ایسا رویہ بھی نہیں ہونا چاہیے کہ ایک آدمی سے محبت ہے تو اس کی ہر بری چیز سے غضِ بصر کرنا اور ایک سے نفرت ہے تو اس کی ہر اچھی بات کو بھی نظر انداز کر دینا۔ اس معاملہ میں عدل کا تقاضا اختیار کرنا چاہیے۔

(۱) الاسرار المرفوعة لملا علی قاری' ح ۳۵۲۔ قیل: لا اصل له او باصله موضوع۔

ظالم حکمرانوں سے نجات کا طریقہ

ظالم یا فاسق وفاجر حکمرانوں سے نجات کا طریقہ کیا ہوگا؟ یہ بہت اہم سوال ہے۔ پچھلے زمانے میں تو اس کے لیے سوائے مسلح بغاوت کے اور کوئی راستہ نہیں تھا۔ لیکن مسلح بغاوت میں بہرحال فتنہ پیدا ہونے کا اندیشہ موجود ہے۔ اس لیے کہ وہ حاکم ظالم یا فاسق و فاجر ہونے کے باوجود آخر کلمہ گو تو ہے۔ وہ اپنے محل کی چار دیواری میں اگرچہ رنگ رلیاں مناتا ہے' لیکن اس کا حکم تو بہر حال وہ نہیں دے رہا ہے۔ لہٰذا کسی مسلمان حاکم کے خلاف مسلح بغاوت میں یہ اندیشہ بہر حال موجود ہے کہ مسلمانوں کے اندر فتنہ پیدا ہو جائے یا وسیع پیمانے پر خون خرابہ ہو جائے۔ لہٰذا اس معاملے میں انتہائی احتیاط کی ضرورت ہے۔

اول تو اگر کسی کو ان حکمرانوں تک رسائی حاصل ہو جائے تو انہیں زبان سے سمجھاؤ' ان کے غلط رویے پر تنقید کرو۔ مگر ان حکمرانوں اور بادشاہوں تک رسائی حاصل کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ آپ خطوط پر خطوط لکھے جایئے' ان تک پہنچیں گے ہی نہیں' ان کا نچلا سٹاف ہی اٹھا کے ردی میں پھینک دے گا۔ کوئی بہت کرم کریں گے تو آپ کو acknowledgment دے دیں گے۔ میں نے ۱۹۸۲ء میں جنرل ضیاء الحق کو ایک بڑا طویل خط لکھا تھا۔ یہ خط میں نے acknowledgement due کے ساتھ بھیجا تھا' لیکن جب اس کی رسید واپس آئی تو اس پر کسی کے دستخط نہیں تھے۔ بہر حال اگر کسی کو ان تک رسائی حاصل ہو جائے تو وہ ان کو سمجھانے کی کوشش کرے۔ دورِ ملوکیت میں تو کسی بادشاہ کے سامنے اس پر تنقید کرنا جان جوکھوں میں ڈالنا تھا۔ آپ نے خلیفہ ہارون الرشید کے قصے تو سنیں ہوں گے کہ فلاں صاحب نے ان کو نصیحت کی تو اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ ٹھیک ہے ایسا ہوتا تھا۔ آخر ہر انسان کے اندر خلوص واخلاص کے ساتھ نصیحت کرنے والوں کی قدر ہوتی ہے' لیکن اگر کسی وقت مزاجِ شاہانہ کا رنگ کوئی اور ہے تو وہی ہارون الرشید اسی وقت جلاد کو حکم دے گا اور وہ ناصح کی گردن اڑا دے گا۔ لہٰذا اکثر واقعات میں آتا ہے کہ جب کسی بزرگ نے بادشاہ کو نصیحت وخیر خواہی کے لیے تنقید شروع کی تو پہلے اچھی طرح اپنے کپڑے سمیٹ لیے تاکہ ایسا نہ ہو کہ میری گردن فوراً

اڑادی جائے اور میرا ستر کھل جائے۔ اس لیے کہ پھر وہاں دیر نہیں لگتی تھی۔ وہاں یہ نہیں تھا کہ عدالتوں میں جاؤ اور پہلے جرم ثابت کرو۔ وہ تو بادشاہت ہے ع ’’نازک مزاجِ شاہاں تابِ سخن ندارد!‘‘ کسی کی کوئی بات بری لگی تو فوراً گردن اڑادی یا عمر بھر کے لیے قید خانے میں ڈال دیا اور اس حبسِ بے جا کے خلاف کسی عدالت میں اپیل دائر نہیں کی جاسکتی تھی۔ مگر بہرحال ایسے بادشاہ بھی تھے جو بھلی بات سنتے تھے اور بھلی بات کہنے والوں کی قدر بھی کرتے تھے‘ لیکن یہ سب کچھ ان کے مزاج پر منحصر تھا۔

دوسری بات یہ ہے کہ آج دنیا کے جدید نظام میں خوش قسمتی سے ایک اچھائی کا پہلو بھی ہے—— میں نے کئی مرتبہ بیان کیا ہے کہ دنیا میں شرِ محض کا وجود ہی نہیں ہے۔ بڑے سے بڑے شر میں بھی کوئی نہ کوئی خیر کا پہلو موجود ہوتا ہے‘ ورنہ شر اپنے پاؤں پر کھڑا ہی نہیں ہوسکتا۔ جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ آکاس بیل درخت کے اوپر تو چڑھ جاتی ہے‘ لیکن اس کے خود سے اوپر چڑھنے کا کوئی امکان نہیں ہے۔ اسی طرح حق اور خیر کا کوئی ایک شمہ لے کر ہی باطل اس کے اوپر اپنی دکان سجا سکتا ہے۔ تو آج کی دنیا کے جدید نظام میں خوبیاں بھی بہرحال موجود ہیں اور ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ آپ کو آزادیٔ اظہارِ رائے کا حق (right of self expression) حاصل ہے۔ اسی طرح انتخاب کے ذریعے کسی شخص کا پارلیمنٹ سے جانا اور کسی کا آنا (transfer of power) سیاسی نظام کے اعتبار سے واقعتاً بہت بڑی کامیابی (acheivement) ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ دنیا میں اس جدید عمرانی دور میں بہت ترقی ہوئی ہے۔

ہمارے ہاں‘ چاہے لولی لنگڑی اور ٹوٹی پھوٹی جمہوریت ہے‘ لیکن ہمیں اپنی بات کہنے کا حق تو حاصل ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ میری بات کو اخبارات اہمیت نہیں دیں گے اور کسی سیاسی لیڈر کی چھوٹی سی بات کو شائع کر دیں گے۔ یہ تو ان اخبارات کا اپنا معاملہ ہے ورنہ حکومت کی طرف سے کوئی پابندی نہیں ہے۔ تو یہ آزادیٔ رائے اور تنظیم سازی کی آزادی عہد حاضر کی دو عمدہ چیزوں میں سے ہے۔ ان کے تحت آپ پُرامن طریقے سے لوگوں کو ظالم اور فاسق و فاجر بادشاہوں اور حکمرانوں سے نجات دلا سکتے

ہیں۔ یہ آزادی ہمارے ملک میں تو حاصل ہے‘ لیکن سعودی عرب میں یہ آزادی نہیں ہے۔ وہاں تو آپ کوئی جماعت بنا ہی نہیں سکتے۔ اس کے علاوہ انڈونیشیا‘ ملائشیا اور بنگلہ دیش میں بھی یہ آزادی ہے۔ اللہ کے فضل و کرم سے یہ آزادی ترکی میں بھی ہے۔ اگرچہ وہ ایک سیکولر ملک ہے لیکن ان کے ہاں بھی آزادی کا یہ پہلو بہرحال موجود ہے۔

یاد رہے کہ عوام کو ان حکمرانوں کے ظلم و استبداد سے نجات دلانے اور معاشرے کو ان کے فسق و فجور کے اثرات سے بچانے کی جدوجہد اس لیے نہ ہو کہ آپ کے دل میں کھوٹ ہو اور آپ خود اقتدار میں آنا چاہتے ہوں۔ یہاں سارا دارومدار نیتوں پر ہوگا‘ جیسے ہم نے اربعین کی پہلی حدیث میں پڑھا تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ)) ’’اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے‘‘—— یہ نہیں کہ تم ہٹو میں حکومت چلاؤں گا۔ نہیں! بلکہ ہمیں تو اسلام کا نظامِ عدلِ اجتماعی درکار ہے‘ ہمیں تو شریعتِ الٰہی کا نفاذ چاہیے‘ حکومت ہرگز ہمارا مقصودِ نظر نہیں ہے‘ جیسے کہ مختلف جماعتوں کے لوگ ایک دوسرے کے لیے کہتے بھی ہیں کہ فلاں کو اسلام نہیں‘ اسلام آباد چاہیے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ آج کل کی ہماری سیاست کا اصل معاملہ یہی پاور پالیٹکس ہے۔

اُمراء کے ساتھ خیر خواہی کے تقاضوں کا خلاصہ

آخر میں ایک بار پھر امراء کے ساتھ خیر خواہی کے تقاضوں کا خلاصہ نوٹ کر لیں:

(۱) اطاعت فی المعروف‘ (۲) عدمِ تنازع—— یہ نہیں کہ ہم تم سے اقتدار چھین لیں گے۔ یہ تنازع کا لفظ درحقیقت عربی میں چھینا جھپٹی کے لیے ہی آتا ہے اور نزع کہتے ہیں کھینچنے کو۔ تنازع یہ ہے کہ ایک طرف سے وہ کھینچ رہا ہے اور ایک طرف سے تم کھینچ رہے ہو۔ رسہ کشی (tug of war) تنازع کی بہترین تعبیر ہے کہ اِدھر سے ایک ٹیم کھینچ رہی ہے‘ اُدھر سے دوسری ٹیم کھینچ رہی ہے‘ اب جو ٹیم کھینچ کر لے جائے گی وہ جیت جائے گی۔

(۳) خیر خواہی کے تحت صحیح مشورہ دینا‘ (۴) مثبت‘ تعمیری‘ اور خیر خواہانہ تنقید‘ اور (۵) جس میں ائمہ اور عوام کے حقوق دونوں شامل ہو جاتے ہیں کہ حکمران اور ائمہ اگر ظالم‘ غاصب یا فاسق و فاجر ہوں تو ان کو بدلنے کی کوشش اور جدوجہد کرنا—— ظاہر بات ہے کہ

اگر کسی کے پاس دولت ہے‘ لیکن اخلاق و کردار نہیں ہے تو وہ دولت کے ذریعے عیاشیاں اور بدمعاشیاں کرے گا تو یہ دولت نعمت نہیں رہے گی بلکہ اس کے حق میں زحمت بن جائے گی۔ اسی طرح غلط شخص کے لیے اقتدار بھی زحمت ہے جو اس کے لیے نقصان دہ اور ضرر رساں ہے۔ اس سے اس کو چھٹکارا دلانا گویا اس کے ساتھ خیر خواہی کرنا ہے۔☆

عوام کے ساتھ نُصح و خیر خواہی کے تقاضے

اب آیئے عوام کے ساتھ نصح و خیر خواہی کے تقاضوں کی طرف۔ ہر مسلمان کے دوسرے مسلمان پر کچھ حقوق مقرر کر دیے گئے ہیں جو ہر حال میں ادا کرنے ہیں۔ حضرت علی ؓ سے مروی حدیث[1] میں چھ حقوق بیان کیے گئے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((حَقُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ سِتٌّ)) ”ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر چھ (خاص) حق ہیں“۔

پہلا حق: سلام کرنا: ((اِذَا لَقِيْتَهٗ فَسَلِّمْ عَلَيْهِ)) ”جب تمہاری اس سے ملاقات ہو تو اسے سلام کرو“۔ پھر سلام میں بھی سبقت کرنے کی کوشش کی جائے۔ اگرچہ سلام کے حوالے سے کچھ آداب سکھائے گئے ہیں کہ چھوٹے بڑوں کو سلام کریں‘ آنے والا پہلے

☆ نبی اکرم ﷺ کی ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی ظالم کو اُس کے ظلم سے روکنا گویا اُس کی مدد کرنا ہے۔ حضرت انس بن مالک ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اُنْصُرْ اَخَاكَ ظَالِمًا اَوْ مَظْلُوْمًا)) فَقَالَ رَجُلٌ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَنْصُرُهٗ اِذَا كَانَ مَظْلُوْمًا اَفَرَاَيْتَ اِذَا كَانَ ظَالِمًا كَيْفَ اَنْصُرُهٗ؟ قَالَ: ((تَحْجُزُهٗ اَوْ تَمْنَعُهٗ مِنَ الظُّلْمِ فَاِنَّ ذٰلِكَ نَصْرُهٗ)) (صحيح البخاري‘ كتاب الاكراه‘ باب يمين الرجل لصاحبه انه اخوه ......)

”اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم!“ ایک آدمی نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! مظلوم کی مدد کرنا تو سمجھ میں آتا ہے‘ لیکن میں ظالم کی کس طرح مدد کروں؟ آپؐ نے فرمایا: ”ظالم کو اس کے ظلم سے روکنا گویا اس کی مدد کرنا ہے۔“ (اضافہ از مرتب)

(۱) صحيح مسلم‘ كتاب السلام‘ باب من حق المسلم للمسلم رد السلام۔

سے محفل میں موجود کو سلام کرے‘ سوار پیدل کو سلام کرے‘ لیکن بہرحال جتنی سبقت کی جائے اتنا ہی ثواب زیادہ ملے گا۔

دوسرا حق: دعوت قبول کرنا: ((وَاِذَا دَعَاكَ فَاَجِبْهُ)) ”جب وہ تمہیں مدعو کرے تو اُس کی دعوت قبول کرو (بشرطیکہ کوئی شرعی عذر مانع نہ ہو)“۔ اگر کوئی عذر یا کوئی مجبوری ہے تو آپ معذرت کر لیں‘ لیکن یاد رکھیں کہ دعوت قبول کرنا ایک حق ہے۔ ٹھیک ہے آپ کو معلوم ہے کہ وہ غریب ہے‘ زیادہ مرغن غذائیں نہیں کھلا سکتا‘ کوئی دال روٹی ہی پیش کرے گا پھر بھی آپ جایئے۔

مجھے ایک واقعہ یاد آ گیا۔ میری اہلیہ کے ایک چچا بہت درویش منش انسان تھے۔ ویسے وہ نہ تو مولوی تھے اور نہ صوفی‘ لیکن حد درجہ درویش مزاج کے آدمی تھے۔ وہ کسی محکمہ میں ایک اچھی پوسٹ پر تھے۔ انہوں نے ایک دن اپنے چپڑاسی سے کہا کہ آج روزہ میرے ساتھ افطار کرنا۔ وہ بڑا خوش ہوا کہ آج میں ان کے ہاں افطار کروں گا وہاں خوب کھانے کو ملے گا۔ جب وہ چپڑاسی ان کے گھر پہنچا تو دیکھا کہ نہ کوئی دسترخوان بچھا ہے اور نہ ہی کوئی کھانا چنا گیا ہے۔ جب اذان ہوئی تو انہوں نے ایک کھجور اپنی جیب میں سے نکالی‘ آدھی خود کھائی اور آدھی اس چپڑاسی کو دے دی —— دیکھئے ایک حدیث میں باقاعدہ طور پر کھجور کے ٹکڑے پر افطار کرانے کا ذکر ہے اور اس کی بہت فضیلت بیان ہوئی ہے۔ اسی طرح جہاں پانی نہایت کمیاب ہوتا ہے وہاں کسی کو روزہ افطار کرنے کے لیے پانی ہی مہیا کر دیا جائے تو یہ بڑی فضیلت کی بات ہے۔ البتہ ایسا نہ ہو کہ آپ خود تو شربت روح افزا سے روزہ افطار کرتے ہوں‘ جبکہ کسی کو سادہ پانی سے روزہ افطار کروائیں۔

تیسرا حق: مخلصانہ مشورہ: ((وَاِذَا اسْتَنْصَحَكَ فَانْصَحْ لَهٗ)) ”جب وہ تم سے نصیحت (یا مخلصانہ مشورہ) کا طالب ہو تو اسے اچھا مشورہ دو“۔ دیکھئے صحیح مشورہ دینا امراء کے ساتھ خیر خواہی کا تقاضا بھی ہے اور عوام کے ساتھ خیر خواہی کا تقاضا بھی۔

چوتھا حق: چھینک آنے پر دعا دینا: ((وَاِذَا عَطَسَ فَحَمِدَ اللّٰهَ فَشَمِّتْهُ)) ”جب اس کو چھینک آئے اور وہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہ کہے تو تم (يَرْحَمُكَ اللّٰهُ کے ساتھ) اسے جواب

دو''۔ چھینک آنے پر اس کے لیے دعا کرنا کہ اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے یہ اس کا حق ہے۔ظاہر بات ہے کہ ناک کے اندر کوئی irritation ہوتی ہے تو چھینک آتی اور یہ زکام کا آغاز بھی ہوسکتا ہے۔لہٰذا آپ پر لازم ہے کہ آپ اسے کہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ پر رحمت فرمائے۔اس پر مزید یہ بھی آتا ہے کہ پھر وہ شخص کہے: ((يَهْدِيْكُمُ اللّٰهُ وَيُصْلِحُ بَالَكُمْ)) ''اللہ تعالیٰ تمہیں ہدایت دے اور تمہارے کام سنوارے۔''

پانچواں اور چھٹا حق: عیادت کرنا اور جنازے میں جانا: ((وَاِذَا مَرِضَ فَعُدْهُ)) ''جب بیمار ہو تو اس کی عیادت کرو''۔ چھٹا حق یہ ہے کہ: ((وَاِذَا مَاتَ فَاتَّبِعْهُ)) ''اور جب وہ انتقال کر جائے تو اس کے جنازے کے ساتھ جاؤ۔''

سنن الترمذی[1] کی ایک روایت میں ساتواں حق یہ بھی بیان ہوا ہے: ((وَيُحِبُّ لَهٗ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهٖ)) ''اور اس کے لیے وہی چیز پسند کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے''۔اس آخری بات کو یوں سمجھئے کہ ''ہاتھی کے پاؤں میں سب کا پاؤں'' کے مصداق بہت جامع بات ہے۔یہ بھی درحقیقت جوامع الکلم میں سے ہے۔

امر بالمعروف ونہی عن المنکر اور مثبت تنقید: ان حقوق کے علاوہ عوام کے ساتھ خیر خواہی کے اور بھی تقاضے ہیں' مثلاً امر بالمعروف ونہی عن المنکر عوام کا بھی حق ہے' یعنی انہیں بھلائی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا۔اس طرح ان پر مثبت تنقید کرنا بھی ان کے ساتھ خیر خواہی کا تقاضا ہے۔سیاسی آدمی کو تو چونکہ ووٹ چاہیے اس لیے وہ عوام پر تنقید نہیں کر سکتا۔وہ تو کہے گا کہ ساری خرابی کی جڑ اوپر بیٹھا ہوا حکمران طبقہ ہے۔گویا باقی سب پاک صاف ہیں اور عوام کے اندر تو کوئی خرابی ہے ہی نہیں۔عوام کے سامنے کھڑے ہو کر ان پر تنقید کرنا بڑی ہمت کی بات ہوتی ہے۔لیکن وہاں بھی وہی اصول رہے گا کہ یہ تنقید خیر خواہی کے جذبے کے تحت ہو نہ کہ کسی مقصد کے حصول کے لیے۔

نہی عن المنکر کے حوالے سے یاد رکھیں کہ اگر کوئی آپ کے مسلسل منع کرنے کے باوجود برائی سے باز نہیں آتا تو آپ اس کے ساتھ عدم اختلاط کریں' یعنی اس کے ساتھ

(۱) سنن الترمذی' ابواب الادب' باب ماجاء فی تشمیت العاطس۔

اٹھنا بیٹھنا' کھانا پینا سب ترک کر دیں۔اس لیے کہ اگر آپ ان معاملات میں شریک رہیں گے تو پھر آپ کی ساری محنت ضائع ہو جائے گی —— ایک حدیث میں بنی اسرائیل کی خرابیوں کے تذکرہ میں اُن کی ایک بڑی خرابی یوں بیان کی گئی ہے کہ ان کے علماء ان کی برائیوں پر تنقید تو کرتے تھے' لیکن اُن کے ساتھ کھانا پینا' اٹھنا بیٹھنا بھی چلتا رہتا تھا —— دعائے قنوت میں بھی ہم یہ اقرار کرتے ہیں: وَنَخْلَعُ وَنَتْرُكُ مَنْ يَّفْجُرُكَ ''اور ہم ان سے علیحدہ ہوتے ہیں اور ان سے ترکِ تعلق کرتے ہیں جو تیرے احکام کی دھجیاں بکھیرتے ہیں۔''

طاغوتی نظام سے نجات دلانا: عوام کی خیر خواہی کے حوالے سے آخری بات وہی ہے جو میں قبل ازیں بیان کر چکا ہوں کہ عوام کو اس طاغوتی نظام اور معاشی بوجھوں سے نجات دلائی جائے۔اس وقت دنیا میں جو غلط معاشی نظام قائم ہیں' جن کی وجہ سے عوام چکی کے دو پاٹوں کے درمیان پس رہے ہیں' اس نظام کو بدلو تا کہ تقسیم دولت کا منصفانہ نظام قائم ہو۔یہ کیا ہے کہ امیر' امیر سے امیر تر اور غریب' غریب سے غریب تر ہوتا چلا جا رہا ہے۔اس نظام کو بدلنے کی کوشش کرنا اور انہیں مستبد اور ظالم حکمرانوں سے نجات دلانا عوام کا حق ہے۔یہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ یہ دو طرفہ حق ہے' ائمہ کا بھی اور عوام کا بھی۔

آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ((اَلدِّيْنُ النَّصِيْحَةُ)) کے تمام پہلوؤں پر مکمل طور پر پورا اترنے اور ماقبل بیان کردہ پانچ اعتبارات سے مکمل طور پر مخلص و وفادار ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین یا ربّ العالمین!

(مرتب: حافظ محمد زاہد' ادارتی معاون)

وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا

عاد — ایک متمرّد اور سرکش قوم

عتیق الرحمٰن صدیقی

جلیل القدر پیغمبر سیدنا ہود علیہ السلام کا نام نامی اور اسم گرامی فرقان حمید میں سات جگہ آیا ہے اور قومِ عاد جس کی طرف وہ پیغمبر بنا کر مبعوث کیے گئے تھے اس کا تذکرہ قرآن حکیم میں دس سورتوں میں ملتا ہے۔ ان سورتوں میں کہیں تو ان کا تذکرہ تفصیل کے ساتھ ہے اور کہیں اختصاراً۔ سابقہ آسمانی کتابیں اس واقعہ سے خالی ہیں' اس اعتبار سے اس قوم کے حالات کا پہلا اور آخری ماخذ یہی کتاب مبین ہے۔ ماہرین طبقات الارض کی تحقیقات بھی تخمینی اور قیاسی ہیں' اساسی سرمایہ صرف کتاب حکیم میں موجود ہے جو قطعی بھی ہے اور یقینی بھی۔

سیرتِ انبیاء کرام میں حضرت ہود علیہ السلام کی ظاہری وجاہت کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے:

''حضرت ہود علیہ السلام نہایت سرخ وسفید رنگ والے وجیہہ' دراز قد' نہایت متین وسنجیدہ اور پروقار شخصیت رکھتے تھے۔ ریش مبارک دراز اور خوبصورت تھی۔'' (سیرت انبیاء کرام مؤلفہ مولانا عبدالرحمٰن)

حضرت ہود علیہ السلام کی دعوت' قرآن کی روشنی میں

سورۂ ہود میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاِلٰی عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ؕ قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ اِنْ
اَنْتُمْ اِلَّا مُفْتَرُوْنَ ﴿٥٠﴾ یٰقَوْمِ لَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَیْهِ اَجْرًا ؕ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی الَّذِیْ
فَطَرَنِیْ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿٥١﴾ وَیٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْۤا اِلَیْهِ یُرْسِلِ
السَّمَآءَ عَلَیْكُمْ مِّدْرَارًا وَّیَزِدْكُمْ قُوَّةً اِلٰی قُوَّتِكُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِیْنَ ﴿٥٢﴾ قَالُوْا
یٰهُوْدُ مَا جِئْتَنَا بِبَیِّنَةٍ وَّمَا نَحْنُ بِتَارِكِیْۤ اٰلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ وَمَا نَحْنُ لَكَ
بِمُؤْمِنِیْنَ ﴿٥٣﴾ اِنْ نَّقُوْلُ اِلَّا اعْتَرٰىكَ بَعْضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوْٓءٍ ؕ قَالَ اِنِّیْۤ اُشْهِدُ اللّٰهَ
وَاشْهَدُوْۤا اَنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿٥٤﴾ مِنْ دُوْنِهٖ فَكِیْدُوْنِیْ جَمِیْعًا ثُمَّ

لَا تُنْظِرُوْنِ ﴿٥٥﴾ اِنِّیْ تَوَكَّلْتُ عَلَی اللّٰهِ رَبِّیْ وَرَبِّكُمْ ؕ مَا مِنْ دَآبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌۢ
بِنَاصِیَتِهَا ؕ اِنَّ رَبِّیْ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿٥٦﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ مَّاۤ
اُرْسِلْتُ بِهٖۤ اِلَیْكُمْ ؕ وَیَسْتَخْلِفُ رَبِّیْ قَوْمًا غَیْرَكُمْ ۚ وَلَا تَضُرُّوْنَهٗ شَیْـًٔا ؕ اِنَّ
رَبِّیْ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ حَفِیْظٌ ﴿٥٧﴾ وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّیْنَا هُوْدًا وَّالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا
مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا ۚ وَنَجَّیْنٰهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِیْظٍ ﴿٥٨﴾ وَتِلْكَ عَادٌ ۟ۙ جَحَدُوْا
بِاٰیٰتِ رَبِّهِمْ وَعَصَوْا رُسُلَهٗ وَاتَّبَعُوْۤا اَمْرَ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِیْدٍ ﴿٥٩﴾ وَاُتْبِعُوْا فِیْ هٰذِهِ
الدُّنْیَا لَعْنَةً وَّیَوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ عَادًا كَفَرُوْا رَبَّهُمْ ؕ اَلَا بُعْدًا لِّعَادٍ قَوْمِ
هُوْدٍ ﴿٦٠﴾

''اور ہم نے قومِ عاد کی طرف ان کے بھائی ہود کو بھیجا۔ انہوں نے کہا: اے میری قوم! اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ بلاشبہ تم اللہ پر بہتان باندھ رہے ہو۔ اے میری قوم! میں تم سے تبلیغ کی کوئی اجرت نہیں مانگتا۔ میرا اجر تو اس ذات کے ذمہ ہے جس نے مجھے پیدا کیا۔ کیا تم نہیں سمجھتے؟ اے میری قوم! اپنے رب سے معافی مانگو' پھر اس کے سامنے توبہ کرو' وہ تم پر موسلا دھار بارش برسائے گا اور تمہاری قوت میں اضافہ کرے گا' اور تم جرم کرتے ہوئے روگردانی نہ کرو۔ وہ کہنے لگے: اے ہود! تو ہمارے پاس کوئی دلیل تو لایا نہیں اور ہم صرف تیرے کہنے سے تو اپنے معبودوں کو چھوڑنے سے رہے اور نہ ہی ہم تجھ پر ایمان لانے والے ہیں۔ بلکہ ہمارا تو خیال یہ ہے کہ ہمارے کسی معبود نے تجھے کوئی بیماری لگائی ہے۔ ہودؑ نے فرمایا: میں اللہ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں اور تم بھی گواہ رہو کہ میں ان تمام سے بیزار اور لاتعلق ہوں جن کو تم نے (عبادت میں) اللہ کا شریک بنا رکھا ہے۔ تم سب مل کر میرے خلاف منصوبہ بنا لو پھر مجھے بالکل مہلت نہ دو۔ میرا بھروسہ اللہ پر ہے جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی۔ کوئی جاندار ایسا نہیں ہے جس کی چوٹی اس کے ہاتھ میں نہ ہو۔ بلاشبہ میرا پروردگار سیدھے راستے پر ہے (اور سیدھا راستہ اختیار کر کے ہی اُس تک پہنچا جا سکتا ہے)۔ اگر تم روگردانی کرو تو (تمہاری مرضی) میں تو تمہیں وہ پیغام پہنچا چکا ہوں جو مجھے دے کر بھیجا گیا ہے۔ اب میرا رب تمہاری جگہ کسی اور قوم کو تمہارا جانشین بنا دے گا' پھر تم اس کا کچھ نہ بگاڑ سکو گے۔ بلاشبہ میرا رب ہر چیز پر نگہبان ہے۔ جب ہمارا فیصلہ آ پہنچا تو ہم نے ہود اور ان پر ایمان لانے والوں کو اپنی رحمت سے نجات دی' اور ان کو سخت عذاب

سے محفوظ رکھا۔ یہ تھی قوم عاد جنہوں نے اپنے رب کی آیات کا انکار کیا‘ اس کے رسولوں کی نافرمانی کی‘ اور ہر سرکش ضدی کے حکم کی پیروی کی۔ اس دنیا میں بھی ان پر لعنت مسلّط کر دی گئی اور قیامت کے دن بھی۔ خبردار! عاد نے اپنے ربّ کا انکار کیا‘ خبردار! ہود کی قومِ عاد ہمیشہ کے لیے دور دفع ہو گئے۔‘‘

سورۃ الشعراء میں فرمایا:

كَذَّبَتْ عَادُ ِۨالْمُرْسَلِيْنَ ﴿١٢٣﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ هُوْدٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿١٢٤﴾ اِنِّيْ لَكُمْ
رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿١٢٥﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿١٢٦﴾ وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ
اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰي رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٢٧﴾ اَتَبْنُوْنَ بِكُلِّ رِيْعٍ اٰيَةً تَعْبَثُوْنَ ﴿١٢٨﴾ وَتَتَّخِذُوْنَ
مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُوْنَ ﴿١٢٩﴾ وَاِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِيْنَ ﴿١٣٠﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ
وَاَطِيْعُوْنِ ﴿١٣١﴾ وَاتَّقُوا الَّذِيْٓ اَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْلَمُوْنَ ﴿١٣٢﴾ اَمَدَّكُمْ بِاَنْعَامٍ وَّبَنِيْنَ ﴿١٣٣﴾
وَجَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿١٣٤﴾ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿١٣٥﴾ قَالُوْا سَوَاۗءٌ
عَلَيْنَآ اَوَعَظْتَ اَمْ لَمْ تَكُنْ مِّنَ الْوٰعِظِيْنَ ﴿١٣٦﴾ اِنْ هٰذَآ اِلَّا خُلُقُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿١٣٧﴾
وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ﴿١٣٨﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَاَهْلَكْنٰهُمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ
اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿١٣٩﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿١٤٠﴾

’’قومِ عاد نے رسولوں کو جھٹلایا‘ تو ان کے بھائی ہود نے ان سے کہا: کیا تم اللہ سے نہیں ڈرتے؟ میں تمہاری طرف امانت دار پیغمبر ہوں۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری بات مانو۔ نیز میں اس کام پر تم سے کوئی اجرت طلب نہیں کرتا‘ میرا اجر تو اللہ ربّ العالمین کے پاس ہے۔ کیا تم ہر ٹیلے پر بے فائدہ عمارتیں بناتے ہو؟ اور ایسے مضبوط محل تعمیر کرتے ہو گویا تم نے ہمیشہ رہنا ہے۔ اور جب تم کسی (غریب اور کمزور) پر ہاتھ ڈالتے ہو تو جبار بن کر ڈالتے ہو۔ پس اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ اور اس ہستی سے ڈرو جس نے تم کو وہ کچھ دیا جو تم جانتے ہو۔ اس نے تمہیں جانور دیے‘ بیٹے دیے‘ باغیچے دیے اور چشمے دیے۔ مجھے تم پر کسی عظیم دن کے عذاب کا خطرہ ہے۔ وہ کہنے لگے: تم نصیحت کرو یا نہ کرو‘ ہمیں کوئی فرق نہیں پڑے گا‘ پہلے لوگوں کے ساتھ یہی کچھ ہوتا آیا ہے‘ اور ہمیں عذاب نہیں دیا جا سکے گا۔ چنانچہ انہوں نے ہود کو جھٹلایا تو ہم نے ان کو ہلاک کر ڈالا۔ بلاشبہ اس واقعہ میں بہت بڑی نشانی ہے‘ لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے۔ بلاشبہ تمہارا رب ہی غالب اور نہایت رحم کرنے والا ہے۔‘‘

سورۃ الاعراف میں فرمایا:

وَاِلٰي عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ۭ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۭ
اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿٦٥﴾ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖٓ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ سَفَاهَةٍ
وَّاِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿٦٦﴾ قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ سَفَاهَةٌ وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ
مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٦٧﴾ اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَاَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ اَمِيْنٌ ﴿٦٨﴾
اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَاۗءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰي رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ ۭ
وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَاۗءَ مِنْۢ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّزَادَكُمْ فِي الْخَلْقِ
بَصْۜطَةً ۚ فَاذْكُرُوْٓا اٰلَاۗءَ اللّٰهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿٦٩﴾ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللّٰهَ
وَحْدَهٗ وَنَذَرَ مَا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَاۗؤُنَا ۚ فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ
الصّٰدِقِيْنَ ﴿٧٠﴾ قَالَ قَدْ وَقَعَ عَلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ رِجْسٌ وَّغَضَبٌ ۭ
اَتُجَادِلُوْنَنِيْ فِيْٓ اَسْمَاۗءٍ سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَاۗؤُكُمْ مَّا نَزَّلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ
سُلْطٰنٍ ۭ فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ﴿٧١﴾ فَاَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ
بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَقَطَعْنَا دَابِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَمَا كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿٧٢﴾

’’اور عاد کی طرف ہم نے ان کے بھائی ہود کو بھیجا۔ اس نے کہا: اے برادرانِ قوم! اللہ کی بندگی کرو جس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے۔ کیا تم غلط روی سے پرہیز نہ کرو گے؟ اس کی قوم کے سرداروں نے جو اس کی بات ماننے سے انکار کر رہے تھے‘ جواب میں کہا: ہم تم کو بے عقلی میں مبتلا سمجھتے ہیں اور ہمیں گمان ہے کہ تم جھوٹے ہو۔ اُس نے کہا: اے برادرانِ قوم! میں بے عقلی میں مبتلا نہیں ہوں بلکہ میں ربّ العالمین کا رسول ہوں۔ تم کو اپنے رب کے پیغامات پہنچاتا ہوں اور تمہارا ایسا خیر خواہ ہوں جس پر بھروسہ کیا جا سکتا ہے۔ کیا تمہیں اس بات پر تعجب ہے کہ تمہارے پاس خود تمہاری اپنی قوم کے ایک آدمی کے ذریعے تمہارے رب کی یاددہانی آئی تاکہ وہ تمہیں خبردار کرے؟ بھول نہ جاؤ کہ تمہارے رب نے نوحؑ کی قوم کے بعد تم کو اس کا جانشین بنایا اور تمہیں خوب تنومند کیا۔ پس اللہ کی قدرت کے کرشموں کو یاد رکھو‘ امید ہے کہ تم فلاح پاؤ گے۔ انہوں نے جواب دیا: کیا تو ہمارے پاس اس لیے آیا ہے کہ ہم اکیلے اللہ ہی کی عبادت کریں اور انہیں چھوڑ دیں جن کی عبادت ہمارے باپ دادا کرتے آئے ہیں؟ اچھا تو لے آ وہ عذاب جس کی تو ہمیں دھمکی دیتا ہے اگر تو سچا ہے۔ اس نے کہا:

تمہارے رب کی پھٹکار تم پر پڑ گئی اور اس کا غضب ٹوٹ پڑا۔ کیا تم مجھ سے ان ناموں پر جھگڑتے ہو جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ لیے ہیں، جن کے لیے اللہ نے کوئی سند نازل نہیں کی ہے۔ اچھا تو تم انتظار کرو اور میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں۔ آخر کار ہم نے اپنی مہربانی سے ہود اور اس کے ساتھیوں کو بچا لیا اور ان لوگوں کی جڑ کاٹ دی جو ہماری آیات کو جھٹلا چکے تھے اور ایمان لانے والے نہ تھے۔''

قرآن کی تصریحات کے نتائج

قرآن حکیم کی ان تصریحات سے واضح ہوا کہ:

☆ قومِ عاد شرک کے گھناؤنے جرم میں مبتلا تھی اور اپنے رسول کی دعوتِ توحید پر ایمان لانے کے لیے ہرگز تیار نہ تھی۔ وَدّ، سواع، یغوث، یعوق، نسر ان کے معبود تھے۔ حضرت ابن عباس ؓ کہتے ہیں کہ انہوں نے ایک اور بت بھی بنا رکھا تھا جس کا نام ''ہتار'' تھا۔

☆ عاد آغاز ہی سے قوت واقتدار کے مالک رہے تھے، اس لیے وہ اپنی انفرادی و جسمانی طاقت کے گھمنڈ میں اللہ واحد کے حقیقی قوت واقتدار کو بھول بیٹھے تھے اور اپنی زبانوں سے مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً ''کون ہے ہم سے زیادہ طاقت والا؟'' کے نعرے بلند کر رہے تھے۔

☆ کمزوروں پر ظلم کرنا، حق کی مخالفت کرنا، اللہ کے رسولوں کو جھٹلانا، نصیحت و خیر خواہی کرنے والوں کو اپنا دشمن سمجھنا، اپنی قوت وطاقت پر اترانا، متکبر اور سرکش امراء کی پیروی کرنا، پہاڑوں کو کاٹ کاٹ کر شان وشوکت کے لیے اونچے اونچے محل بنانا ان کی زندگی کے لیل ونہار تھے۔☆

☆ ۱۹۹۰ء میں قومِ عاد کا مرکزی شہر ''عبار'' ریت کے صحرا سے دریافت ہو گیا ہے۔ اس شہر کو ماہر آثار قدیمہ مسٹر فلیپ نے دریافت کیا۔ مسٹر فلیپ کو پختہ یقین تھا کہ چونکہ قرآن مجید میں اس شہر کا تذکرہ موجود ہے لہٰذا کرۂ ارض پر کہیں نہ کہیں اس کا وجود ضرور ہوگا۔ اس یقین کی وجہ یہ تھی کہ مسٹر فلیپ اس سے پہلے بھی قرآن پاک کی ذکر کردہ چیزوں اور جگہوں کو دریافت کر چکا تھا۔ مسٹر فلیپ نے اس علاقے کی کھوج کے لیے تحقیق شروع کر دی۔ وہ گاؤں گاؤں، شہر شہر تحقیق کی خاک چھانتا ہوا، وہاں کے بدوؤں سے ''عبار'' شہر کے بارے میں معلومات اکٹھی کرتا رہا۔ اس نے شہر ''عبار'' کی دریافت کے دو طریقے اختیار کیے۔ پہلے اس نے بدوؤں اور خانہ بدوشوں کے بتائے ہوئے راستوں کا کھوج لگایا، پھر اس نے امریکی خلائی ادارے ناسا سے گزارش کی کہ اسے اس علاقے کی سیٹلائٹ سے تصاویر مہیا کی جائیں۔ ◄

☆ حضرت ہود علیہ السلام اس بگڑے ہوئے ماحول میں ایک ضدی، ہٹ دھرم اور متکبر قوم کی رشد وہدایت کے لیے بھیجے گئے —— وہ اپنی قوم سے کسی اجر کے طالب نہ تھے۔ ان کے پیش نظر صرف اس قوم کی اصلاح تھی۔

☆ حضرت ہود علیہ السلام کی قوم کے وہ افراد جنہوں نے ان کا ساتھ دیا، اللہ نے ان کی حفاظت فرمائی، انہیں مأمون ومصئون کیا۔ باقی تمام سرکش اور متمرّد افراد اللہ کے شدید عذاب کا شکار ہو کر رہ گئے اور اپنے رسول کی تکذیب وتذلیل کی وجہ سے بھیانک انجام سے دوچار ہوئے۔ تیز وتند بادِ صرصر کا طوفان آیا اور اس نے ہر شے کو تہ وبالا کر کے رکھ دیا۔ ان کا خوبصورت ہرا بھرا شہر ویران وکھنڈر بن کر رہ گیا اور پہاڑوں کو تراش کر بنائی گئی بہت سی عالیشان عمارتیں ریت کے تودوں میں تبدیل ہو کر رہ گئیں۔ جو بچ رہیں وہ بعد میں آنے والوں کو دعوتِ عبرت دے رہی ہیں۔

قومِ عاد —— پس منظر

دکتور شوقی ابوخلیل رقم طراز ہیں:

''قومِ ہود یا عاد عرب کا ایک قدیم قبیلہ تھا۔ یہ امم سامیہ (سامی اقوام) کے صاحبِ قوت واقتدار افراد تھے۔ تاریخ عرب کی قدیم اقوام کو عرب عاربہ (خالص عرب) یا عرب بائدہ (مٹ جانے والے عرب) کہتی ہے اور ان کے مختلف گروہوں کو عاد، ثمود، طسم اور جدیس کے نام دیتی ہے۔ مستشرقین یورپ انہیں امم سامیہ کہتے ہیں۔ قرآن مجید میں حضرت ہودؑ کی قوم کو عادِ اولیٰ کہا گیا ہے۔ عاد کا زمانہ تقریباً ساڑھے چھ ہزار قبل

◄ اسی دوران اسے کیلی فورنیا کی لائبریری سے یونانی ماہر جغرافیہ بطلیموس کا بنایا ہوا نقشہ مل گیا جس میں اس پرانے شہر کا محل وقوع اور اس کی طرف جانے والے تمام راستے دکھائے گئے تھے۔ اسی دوران مسٹر فلیپ کو ناسا کی طرف سے تصاویر بھی مل گئیں۔ ان تصاویر کا مقابلہ پرانے نقشے سے کرنے پر اسے معلوم ہوا یہ وہی راستے ہیں جو سیٹلائٹ سے لی ہوئی تصاویر میں نظر آ رہے تھے۔ چنانچہ اس نے فوراً کھدائی شروع کرا دی اور شہر ''عبار'' کئی میٹر ریت کی تہہ کے نیچے سے برآمد ہونے لگا اور یہ حقیقت واضح ہونے لگی کہ یہ تباہ شدہ شہر قرآن پاک میں مذکور قوم ''عاد'' اور ''ارم'' کے ستونوں کا شہر ہے، کیونکہ یہاں وہ ستون موجود تھے جن کا ذکر سورۃ الفجر میں آیا ہے۔ اس کھدائی سے ملنے والی چند تصاویر مضمون کے آخر میں دی جا رہی ہیں۔ (اضافہ از ادارہ)

مسیح جانا جاتا ہے۔'' (اطلس القرآن)

دکتور شوقی احقاف کے بارے میں لکھتے ہیں:

''عاد اولیٰ کا مسکن احقاف تھا جو جزیرہ نمائے عرب کے جنوب میں ربع الخالی اور حضرموت کے درمیان واقع ہے۔ اس کے مشرق میں عمان‘ مغرب میں یمن‘ شمال میں ربع الخالی اور جنوب میں حضرموت ہے........... احقاف‘ حقف کی جمع ہے اور اس کے لغوی معنی ہیں ریت کے لمبے لمبے اور اونچے ٹیلے‘ جو عمان سے یمن تک پھیلے ہوئے تھے۔ یہیں سے نکل کر عاد گردوپیش کے ممالک میں پھیلے اور کمزور قوموں پر چھا گئے ...... ہزاروں برس پہلے احقاف میں شاندار تمدن رکھنے والی قوم آباد تھی اور یہ علاقہ سرسبز و شاداب تھا مگر آج ایک لق و دق ریگستان ہے جس کے اندرونی حصوں میں جانے کی کوئی ہمت نہیں رکھتا۔''

عادِ ارم کے بارے میں وہ لکھتے ہیں:

''اس سے مراد وہی قدیم قوم ہے جسے عادِ اولیٰ کہا جاتا ہے۔ سورۃ الفجر‘ آیت ۷ میں اسے عادِ ارم اور سورۃ النجم‘ آیت ۵۰ میں عادِ اولیٰ کا نام دیا گیا ہے۔ اسے عادِ ارم اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ لوگ سامی نسل کی اس شاخ سے تعلق رکھتے تھے جو ارم بن سام بن نوحؑ سے چلی تھی۔ انہی عادِ ارم کی ایک ضمنی شاخ ثمود ہیں اور دوسرے آرامی ہیں جو ابتدا میں شام کے شمالی علاقوں میں آباد تھے۔ (اطلس القرآن مؤلفہ دکتور شوقی)

صاحبِ تفہیم القرآن ’عاد‘ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''یہ عرب کی قدیم ترین قوم تھی جس کے افسانے اہل عرب میں زبان زد عام تھے‘ بچہ بچہ ان کے نام سے واقف تھا‘ ان کی شوکت وحشمت ضرب المثل تھی‘ پھر دنیا سے ان کا نام ونشان تک مٹ جانا بھی ضرب المثل ہو کر رہ گیا تھا۔ اسی شہرت کی وجہ سے عربی زبان میں ہر قدیم چیز کے لیے عادی کا لفظ بولا جاتا ہے۔ آثارِ قدیمہ کو عادیات کہتے ہیں۔ جس زمین کے مالک باقی نہ رہے ہوں اور جو آبادکار نہ ہونے کی وجہ سے افتادہ پڑی ہو اسے عادیَ الارض کہا جاتا ہے ...... حدیث میں آتا ہے کہ ایک دفعہ نبی ﷺ کی خدمت میں بنی ذہل بن شیبان کے ایک صاحب آئے جو عاد کے علاقے کے رہنے والے تھے‘ انہوں نے وہ قصے حضور ﷺ کو سنائے جو اس قوم کے متعلق قدیم زمانوں سے ان کے علاقہ کے لوگوں میں نقل ہوتے چلے آ رہے تھے۔'' (تفہیم القرآن دوم‘ الاعراف حاشیہ ۵۱)

قرآن میں قومِ عاد کی تباہی کا نقشہ

سطورِ بالا میں ہم نے اس خوفناک عذاب کا تذکرہ کیا ہے جس سے قومِ عاد دوچار ہوئی۔ قرآن حکیم نے اس ہولناک عذاب کا جو نقشہ کھینچا ہے وہ بھی ملاحظہ کیجیے۔ سورۃ الذاریات میں فرمایا:

﴿وَفِیْ عَادٍ اِذْ اَرْسَلْنَا عَلَیْهِمُ الرِّیْحَ الْعَقِیْمَ ﴿۴۱﴾ مَا تَذَرُ مِنْ شَیْءٍ اَتَتْ عَلَیْهِ اِلَّا جَعَلَتْهُ كَالرَّمِیْمِ ﴿۴۲﴾﴾

''اور (تمہارے لیے نشانی ہے) عاد میں جبکہ ہم نے ان پر ایسی بے خیر ہوا بھیج دی کہ جس چیز پر بھی وہ گزر گئی اسے بوسیدہ کر کے رکھ دیا۔''

لغوی اعتبار سے عقیم کا مطلب بانجھ ہے۔ یعنی وہ ایسی سخت اور گرم وخشک ہوا تھی کہ جس چیز پر سے وہ گزر گئی اسے سکھا کر رکھ دیا۔ پھر یہ صرف بے خیر اور خشک ہی نہ تھی بلکہ نہایت شدید آندھی کی شکل میں آئی جس نے لوگوں کو اٹھا اٹھا کر پٹخ دیا اور یہ مسلسل آٹھ دن سات راتوں تک چلتی رہی‘ یہاں تک کہ قومِ عاد کے پورے علاقے کو اس نے تہس نہس کر کے رکھ دیا۔ سورۃ القمر میں فرمایا:

﴿كَذَّبَتْ عَادٌ فَكَیْفَ كَانَ عَذَابِیْ وَنُذُرِ ﴿۱۸﴾ اِنَّاۤ اَرْسَلْنَا عَلَیْهِمْ رِیْحًا صَرْصَرًا فِیْ یَوْمِ نَحْسٍ مُّسْتَمِرٍّ ﴿۱۹﴾ تَنْزِعُ النَّاسَ ۙ كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ مُّنْقَعِرٍ ﴿۲۰﴾ فَكَیْفَ كَانَ عَذَابِیْ وَنُذُرِ ﴿۲۱﴾ وَلَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿۲۲﴾﴾

''عاد نے جھٹلایا تو دیکھ لو کہ کیسا تھا میرا عذاب اور کیسی تھیں میری تنبیہات! ہم نے ایک پیہم نحوست کے دن سخت طوفانی ہوا ان پر بھیج دی جو لوگوں کو اٹھا اٹھا کر اس طرح پھینک رہی تھی جیسے وہ جڑ سے اکھڑے ہوئے کھجور کے تنے ہوں۔ پس دیکھ لو کہ کیسا تھا میرا عذاب اور کیسی تھیں میری تنبیہات! اور ہم نے اس قرآن کو نصیحت کے لیے آسان ذریعہ بنا دیا ہے‘ پھر کیا ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا؟''

سورۂ حٰمٓ السجدۃ‘ آیت ۱۶ میں ﴿فِیْۤ اَیَّامٍ نَّحِسَاتٍ﴾ کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں اور سورۃ الحاقہ‘ آیت ۷ میں فرمایا گیا کہ ہوا کا یہ طوفان مسلسل سات رات اور آٹھ دن جاری رہا۔ بفحوائے قرآنی:

﴿وَاَمَّا عَادٌ فَاُهْلِكُوْا بِرِیْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِیَةٍ ﴿۶﴾ سَخَّرَهَا عَلَیْهِمْ سَبْعَ لَیَالٍ وَّثَمٰنِیَةَ اَیَّامٍ ۙ حُسُوْمًا فَتَرَی الْقَوْمَ فِیْهَا صَرْعٰی ۙ كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِیَةٍ ﴿۷﴾ فَهَلْ تَرٰی لَهُمْ مِّنْۢ بَاقِیَةٍ ﴿۸﴾﴾

''اور عاد ایک بڑی شدید طوفانی آندھی سے تباہ کر دیے گئے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو مسلسل سات راتیں اور آٹھ دن ان پر مسلط رکھا' (تم وہاں ہوتے) تو دیکھتے کہ وہ وہاں اس طرح پچھڑے پڑے ہیں جیسے وہ کھجور کے بوسیدہ تنے ہوں۔ اب کیا ان میں سے کوئی تمہیں باقی بچا نظر آتا ہے؟''

احقاف کی بستی

حضرت ہود علیہ السلام جس شہر کی طرف مبعوث ہوئے تھے قرآن حکیم نے اس کا نام احقاف بھی بیان کیا ہے۔ یہ سرسبز و شاداب علاقہ تھا جہاں ایک متمدن قوم آباد تھی' لیکن آج وہ ریگستان کی شکل اختیار کر چکا ہے۔ قوم عاد اسی علاقہ میں آباد تھی۔ موجودہ شہر مکلا سے تقریباً ۱۲۵ میل کے فاصلے پر شمال کی جانب ایک مقام پر حضرت ہود علیہ السلام کا مزار معروف و مشہور ہے —— حضرت ہود علیہ السلام نے جب تبلیغ کا آغاز کیا تو قوم کے افراد نے انہیں بے وقوف اور جھوٹا کہا۔ کائنات کے لاکھوں شعبوں کے لیے صرف ایک خدا کی کارفرمائی و کارسازی ان کی سمجھ سے بالا تھی۔ قومِ عاد کے لوگ حضرت ہود علیہ السلام سے ان ناموں پر جھگڑتے تھے جو ان کے باپ دادا نے رکھ لیے تھے۔ جیسے موجودہ زمانہ میں گنج بخش' داتا اور غریب نواز کے نام معروف کر دیے گئے ہیں' حالانکہ خزانے بخشنے اور غریبوں کو نوازنے اور فریادیں سننے والی صرف اللہ عزوجل کی ذات گرامی ہے اور حاجت روائی اور مشکل کشائی کے لیے اُسی کی طرف رجوع کیا جانا ضروری ہے —— حضرت ہود علیہ السلام ان کے تمردانہ اور انانیت پسندانہ رویہ سے مایوس نہیں ہوئے بلکہ مسلسل افہام و تفہیم کے انداز میں اپنا مشن جاری رکھا۔ یہ الگ بات ہے کہ قوم نے ان کے خیرخواہانہ جذبے کو بدخواہی پر محمول کیا اور بغاوت پر قائم رہے۔ پھر ان پر جو عذاب آیا وہ بہت دلدوز نوعیت کا تھا۔ ایک طوفانی ہوا نے جسے قرآن نے ریحِ صرصر سے تعبیر کیا ان کا تیا پانچہ کر کے رکھ دیا۔

قوموں کے عروج و زوال میں اخلاقی پہلو

قوموں کے عروج و زوال میں اخلاقی پہلو کی حیثیت خاصی نمایاں ہوتی ہے۔ رذائل اخلاق کی بدولت قومیں زوال کی اتھاہ گہرائیوں میں گر پڑتی ہیں۔ اگر وہ اپنی اصلاح پر آمادہ نہ ہوں اور اپنے آپ کو بدلنے کا عزم نہ کریں تو آخر کار بھیانک نتائج کی سزاوار ٹھہرتی ہیں اور پھر انہیں تباہی و بربادی سے کوئی بچا نہیں سکتا۔ آج اُمت مسلمہ جس دلخراش' المناک اور اضطراب انگیز صورت حال سے دوچار ہے وہ گہرے غور و فکر کی متقاضی ہے۔ اسلام کے نام پر

معرضِ وجود میں آنے والے ملک میں ضلالت و غوایت' غلاظت و خباثت اور تحزّب اپنی انتہاؤں کو چھو رہا ہے۔ حرص و ہوا کے بندوں نے آزاد خیالی کو رواج دینے کے لیے اپنی تمام تر توانائیاں وقف کر رکھی ہیں۔ ایسے میں دین کے درد سے سرشار لوگوں کا فرض بنتا ہے کہ وہ تمام تر اختلافات کو بالائے طاق رکھ کر جنوں خیز انداز میں انقلابی فکر کے ساتھ گندگی اور نام نہاد روشن خیالی کے سیلابِ بلاخیز کو روکنے کے لیے عملی اقدامات کریں۔ مغربی جمہوریت کو اپنا آسرا بنانے کے بجائے اسلامی شورائیت کے تصور کو رائج کرنے کے لیے اپنی قوتوں کو مجتمع کریں۔

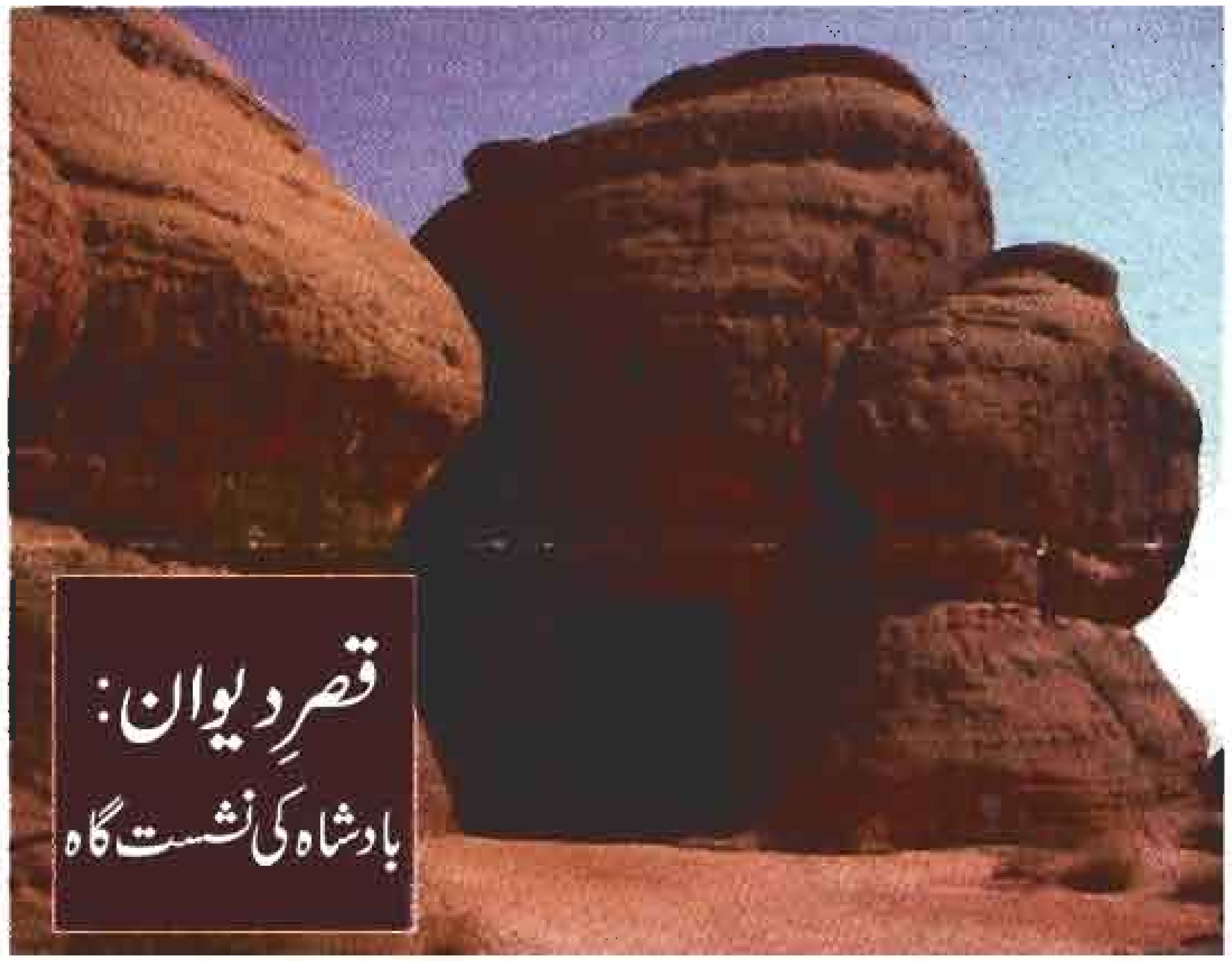
قصرِ دیوان:
بادشاہ کی نشست گاہ

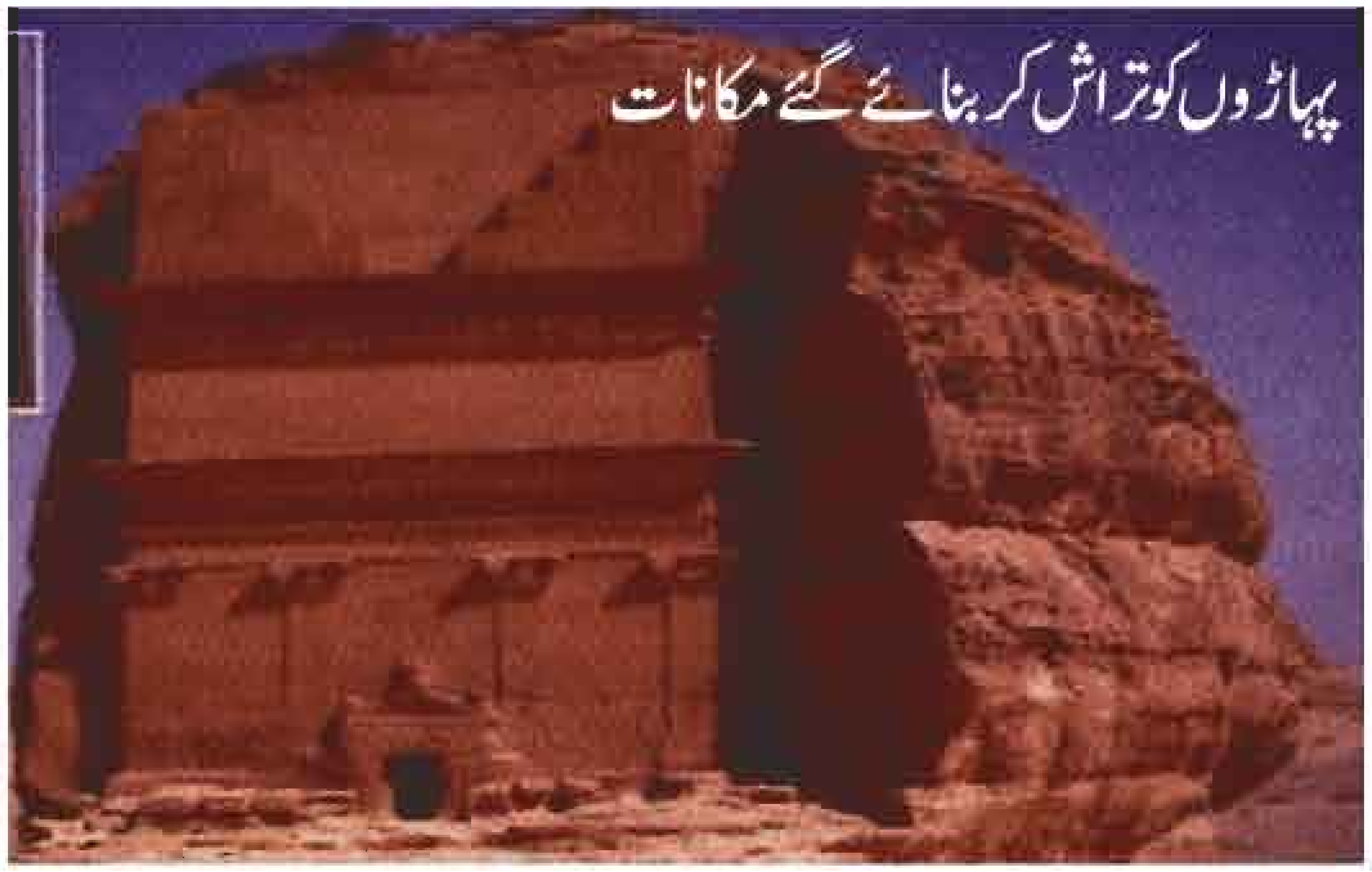
پہاڑوں کو تراش کر بنائے گئے مکانات

فواحش اور منکرات:

شیطان کے بڑے ہتھکنڈے

حافظ محمد زاہد

شیطان انسان کا ازلی دشمن ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے انکار پر جب اللہ عزوجل نے شیطان کو جنت سے نکالا اور راندۂ درگاہ کیا تو اس نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ مجھے ایک معیّن مدت تک مہلت دے‘ میں تیرے بندوں کو راہِ حق سے ضرور گمراہ کروں گا۔ اس پر ربّ العالمین کی طرف سے اُسے قیامت تک مہلت دے دی گئی۔ ویسے تو اس واقعہ کا ذکر قرآن حکیم میں کئی مقامات پر کیا گیا ہے‘ مگر سورۂ صٓ کی آیات ۷۱ تا ۸۵ میں اس پورے واقعہ کو اللہ عزوجل اور شیطان لعین کے مابین ایک مکالمہ کی صورت میں ایک خوبصورت پیرائے میں بیان کیا گیا ہے۔

آج ہزاروں سال گزرنے کے باوجود شیطان اس ازلی دشمنی پر قائم ہے اور وہ ہر دور میں بنی نوع انسان کو شر اور بدی کی راہ پر لانے کے لیے اپنی تمام تر قوتوں اور صلاحیتوں کو بروئے کار لاتا ہے۔ اسی طرح شیطان انسان کو ذمائم اخلاق کی طرف راغب کرنے کے لیے ہر ایسا حربہ اختیار کرتا ہے جو خوشنما بھی ہو اور دلربا بھی اور ایسی زیب و زینت سے آراستہ اور مزیّن ہو کہ انسان اس پر لٹو ہو جائے اور وہ اعمالِ بد میں گرفتار ہو جائے۔ ایسے میں شیطان اسے اطمینان دلاتا ہے کہ تم جو کچھ کر رہے ہو خوب کر رہے ہو‘ وہ انہیں وعدوں اور اُمیدوں میں اُلجھاتا ہے اور اس طرح انسان کو لطف و لذت سے مسحور کر کے غلط راہوں پر گامزن کر دیتا ہے۔ اس کی فریب کاری کے انداز جدا جدا ہیں‘ وہ انسان کی کمزوری کی مناسبت سے اپنے دامِ تزویر میں اسے پھانس لیتا ہے۔

شیطان کے انہی حربوں اور ہتھکنڈوں میں ایک فحاشی و عریانی ہے‘ جس کی ترویج میں وہ اپنی پوری صلاحیتیں بروئے کار لائے ہوئے ہے۔ موجودہ دور میں تو شیطان نے فحاشی اور بے حیائی

کو ایسی خوبصورت تہذیب کے رنگ میں رنگا ہے کہ بنی نوع انسان کی اکثریت اُسے اپنی تہذیب اور روایت قرار دے رہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ موجودہ دور میں لوگوں کو اب بے حیائی برائی بھی نہیں لگتی۔ نبی اکرم ﷺ نے قیامت کی جو علامات بتائی ہیں ان میں ایک یہ بھی کہ لوگ بہت سے گناہوں اور برائیوں کا ارتکاب مہذب اور شائستہ ناموں سے کریں گے۔ چنانچہ آج ہم دیکھتے ہیں کہ اسلامی ریاستوں میں ’’فحاشی اور بے حیائی‘‘ کا فتنہ ’’روشن خیالی‘‘ کے نام سے پروان چڑھ رہا ہے۔

فحشاء و منکر کی تعریف اور ان کا مصداق

فحشاء‘ عربی زبان کا لفظ ہے جس کا مادہ ’’ف ح ش‘‘ ہے۔ اُردو کی مشہور لغت ’’فیروز اللغات‘‘ میں اس مادے سے بننے والے مختلف الفاظ اور ان کا لفظی ترجمہ یوں بیان کیا گیا ہے:

’’فِحاش بمعنی شریر‘ بدچلن‘ گندہ۔ فَحّاشِی بمعنی بدچلنی‘ شرارت‘ جنسی مسائل کو مشتعل کرنا‘ بے حیائی۔ فُحش بمعنی گالی‘ بے ہودہ بات‘ قابل شرم بات‘ جنسی بدکلامی‘ بے حیائی کی باتیں۔ فُحش بکنا (اُردو محاورہ) گالیاں بکنا‘ لچر بات کہنا۔

منکر کا لفظی ترجمہ ہے: انکار کیا گیا‘ مکروہ‘ خراب‘ ناشائستہ‘ نامشروع۔‘‘

پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ نے فحشاء اور منکر کی تعریف بایں الفاظ کی ہے:

’’ان میں پہلی چیز الفحشاء ہے۔ اس کا معنی ہے: کل قبیح من قول و فعل ہر وہ بات اور ہر وہ کام جو قبیح ہو اُسے فحشاء کہتے ہیں۔ اس وضاحت سے معلوم ہوا کہ اس کا مفہوم کتنا وسیع ہے۔ ہر وہ چیز جس سے افراد یا قوم کے اخلاق بگڑنے کا اندیشہ ہو وہ الفحشاء کی تعریف میں داخل ہوگی۔ ’’منکر‘‘ کا مفہوم ہے: ما انکرہ الشرع بالنھی عنہ جس چیز کو شریعت نے ناپسند بھی کیا ہو اور اس سے روکا بھی ہو۔‘‘ (تفسیر ضیاء القرآن)

علامہ بیضاویؒ فحشاء اور منکر کی تعریف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

’’قوتِ شہوانیہ کی متابعت میں افراط کو فحشاء کہتے ہیں اور قوتِ غضبیہ کے مشتعل ہونے کے وقت جو کام کیا جائے اُسے منکر کہتے ہیں۔‘‘

سید قطب شہیدؒ نے ان کی تعریف یوں کی ہے:

’’فحشاء کا مادہ فحش ہے‘ ہر وہ امر جو حد سے تجاوز کر جائے اور اس کا ظہور زیادہ تر اس صورت میں ہوتا ہے کہ کسی کی عزت پر زیادتی کی جائے اور یہ ایک حد سے گزرنے والا فعل ہے جس میں تجاوز اور زیادتی پائی جاتی ہے۔ منکر ہر اُس فعل کو کہا جاتا ہے جس کا فطرتِ

سلیمہ انکار کرے اور اسی سبب سے شریعت بھی اس کا انکار کرتی ہے۔" (تفسیر فی ظلال القرآن)

مولانا امین احسن اصلاحیؒ اِن کی تعریف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"فحشاء کھلی ہوئی بے حیائی اور بدکاری کو کہتے ہیں' مثلاً زنا اور لواطت اور اس کی قبیل کی دوسری برائیاں۔ منکر معروف کی ضد ہے۔ معروف اُن اچھی باتوں کو کہتے ہیں جن کا ہر اچھی سوسائٹی میں چلن ہو' مثلاً مہمان داری' مسافر نوازی اور اس کی قبیل کی دوسری نیکیاں۔ منکر اس کی ضد ہے تو اس سے مراد وہ باتیں ہوں گی جو معروف اور عقل وعرف کے پسندیدہ طریقہ اور آداب کے خلاف ہوں۔" (تفسیر تدبر قرآن)

فحشاء اور منکر کی تعریف اور خاص طور پر مصداق کے حوالے سے مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ رقم طراز ہیں:

"پہلی چیز فَحْشَآء ہے جس کا اطلاق تمام بیہودہ اور شرمناک افعال پر ہوتا ہے۔ ہر وہ برائی جو اپنی ذات میں نہایت قبیح ہو فحش ہے۔ مثلاً بخل' زنا' برہنگی وعریانی' عملِ قومِ لوط' محرمات سے نکاح کرنا' چوری' شراب نوشی' بھیک مانگنا' گالیاں بکنا اور بدکلامی کرنا وغیرہ۔ اسی طرح علی الاعلان برے کام کرنا اور برائیوں کو پھیلانا بھی فحش ہے' مثلاً جھوٹا پروپیگنڈا' تہمت تراشی' پوشیدہ جرائم کی تشہیر' بدکاریوں پر اُبھارنے والے افسانے اور ڈرامے اور فلم' عریاں تصاویر' عورتوں کا بن سنور کر منظر عام پر آنا' علی الاعلان مردوں اور عورتوں کے درمیان اختلاط ہونا' اور اسٹیج پر عورتوں کا ناچنا اور تھرکنا اور ناز و ادا کی نمائش کرنا وغیرہ...... دوسری چیز مُنْکَر ہے جس سے مراد ہر وہ برائی ہے جسے انسان بالعموم برا جانتے ہیں' ہمیشہ سے برا کہتے رہے ہیں' اور تمام شرائع الٰہیہ نے جس سے منع کیا ہے۔" (تفسیر تفہیم القرآن)

پاکستانی معاشرے میں رائج فواحش کے طور طریقے

اس تناظر میں اگر ہم پاکستانی معاشرے کی بات کریں تو اس کے بارے میں یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ ہمارا معاشرہ تو بے حیائی اور فحاشی وعریانی کے دلدل میں سر سے لے کر پاؤں تک ڈوبا ہوا ہے۔ یہاں تو فحاشی وعریانی کے ایسے ایسے طور طریقے دیکھنے کو ملتے ہیں کہ جنہیں دیکھ کر شیطان بھی عش عش کر اُٹھتا ہوگا کہ یہ طریقہ تو میرے ذہن میں بھی نہیں تھا جو انہوں نے اپنایا ہے۔

پاکستان میں جابجا مخلوط محفلیں منعقد کی جاتی ہیں جو سراسر برائیوں کی آماجگاہ ہیں۔ مردوں کے ہسپتالوں میں خواتین ڈاکٹر اور نرسیں تعینات ہیں اور اس سے جو خرابیاں وجود میں آرہی ہیں اُس سے سب واقف ہیں۔ ٹی وی ڈراموں اور فلموں کے ذریعے نوجوان نسل کو

بے حیائی کی طرف مائل کیا جا رہا ہے۔ اب تو اسلامی جمہوریہ پاکستان کے چینلز پر چلنے والے ڈراموں میں ایسے ایسے عریاں مناظر دکھائے جاتے ہیں جو شاید ہمارے ہمسایہ سیکولر ملک ہندوستان کے ڈراموں اور فلموں میں بھی دیکھنے کو نہ ملیں۔ کالجز اور یونیورسٹیوں میں مخلوط تعلیمی سلسلے اپنی تمام تر برائیوں کے باوجود جاری وساری ہیں اور پھر ان تعلیمی اداروں میں فیشن شوز اور فن فیئر کے نام پر غیر اخلاقی اور بے حیائی پر مبنی پروگرام سال میں کئی بار کیے جاتے ہیں جن میں نوجوان لڑکیاں اور لڑکے انڈین گیتوں پر رقص کرتے ہیں اور سامنے بیٹھے اُن کے والدین بڑے فخر سے کہتے ہیں کہ سامنے سٹیج پر جو لڑکی ناچ رہی ہے وہ میری بیٹی ہے۔ کوئی اُن کو یہ تو بتائے کہ فخر کس بات کا' یہ تو ڈوب مرنے کا مقام ہے۔ اس لیے کہ چند سال پہلے تک تماش بینوں کے سامنے ناچنے والی "طوائف" کہلاتی تھی تو آج آپ کی بیٹی بھی اسی زمرے میں آرہی ہے۔ اسی طرح جنسی اشتعال انگیزی پر مشتمل حیا باختہ عورتوں کی تصاویر اس قدر عام ہوگئی ہیں کہ گھریلو استعمال کی عام اشیاء کو بھی ان سے آلودہ کر دیا گیا۔ اخبارات ورسائل کے سرورق پر فلمی اور ماڈلنگ کی دنیا کی نیم عریاں تصویروں کا چھپنا ایک عام معمول ہے۔ جو تھوڑی بہت کسر رہ گئی تھی وہ انٹرنیٹ اور موبائل کمپنیوں کے نت نئے پیکجز اور اسکیموں نے پوری کر دی ہے۔ اگر دیکھا جائے تو موبائل اور انٹرنیٹ سے متعلق تمام چیزیں پوری دنیا کے برعکس صرف پاکستان میں بہت کم قیمت پر میسر ہیں۔ اس کی وجہ صاف ظاہر ہے کہ مغربی قوتیں اسلام کے نام پر بننے والی اس مملکت خداداد میں فحاشی وعریانی کو فروغ دے کر ہماری نوجوان نسل کو اسلام' اسلامی تعلیمات اور اسلامی تہذیب وتمدن سے دور کرنا چاہتی ہیں اور ہمارا الیکٹرانک میڈیا اُن دجالی قوتوں کا آلہ کار بنا ہوا ہے جو ان سب کو پروموٹ کرنے میں اُن کی مدد کر رہا ہے —— الغرض یہ تو بس ایک جھلک ہے' ورنہ بے حیائی کا یہ سیلاب تو کسی صورت بھی رکنے کا نام نہیں لے رہا ہے اور پاکستانی معاشرے میں رائج اسلامی ثقافت کی سرحدوں کو روندرہا ہے۔

اگر فحاشی کا یہ سیلاب یونہی رواں دواں رہا تو......؟

مشہور صحافی انصار عباسی صاحب (اللہ تعالیٰ اُن کو اسی طرح حق وسچ لکھنے کی توفیق عطا فرمائے اور سچائی کا ساتھ دینے پر اُن کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین!) پاکستان میں فحاشی وعریانی کے بڑھتے سیلاب اور نت نئے انداز کے حوالے سے اپنے ایک کالم میں لکھتے ہیں:

"فیشن شوز اور catwalk کے نام پر عریانیت اور بے حیائی پھیلانے کا جو دھندا

اسلامی جمہوریہ پاکستان میں ''روشن خیالی'' کے نام پر جس انداز میں زور پکڑتا جارہا ہے' اگر اس کا فوری سدِّباب نہ کیا گیا تو عریانیت کی یہ آگ مہذب گھرانوں کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لے گی۔ بدتہذیبی اور جاہلیت کی ان حدوں کو ہم بھی جلد چھولیں گے جو مغربی معاشرہ کی اخلاقی اقدار کی تباہی کا باعث بن چکی ہیں اور جہاں حیوانیت اس حد تک پروان چڑھ چکی ہے کہ اکثر پیدا ہونے والے بچوں کو اپنے باپ کا پتا نہیں ہوتا' مرد اور عورتیں بغیر شادی کیے ایک ساتھ رہنے کو ترجیح دیتے ہیں' جب کہ مردوں کا مردوں کے ساتھ اور عورتوں کا عورتوں کے ساتھ شادی کرنے کا رواج زور پکڑتا جارہا ہے۔ فحاشی وعریانیت ان معاشروں میں اب بالکل بے معنی ہوکر ان کے رواج وسماج کا حصہ بن چکی ہیں' جنہیں اب وہاں قانونی تحفظ حاصل ہے۔ ایک غیر اسلامی اور کفر کے معاشرہ میں اس بدتہذیبی اور جاہلیت کا ہونا کوئی اچھنبے کی بات نہیں' مگر اس قسم کے رجحانات کا کسی اسلامی معاشرے اور اسلام کے نام پر بننے والے ملک میں پنپنا یقیناً لمحہ فکریہ ہے...... کاش ہمیں احساس ہوجائے کہ اگر اس عریانیت اور فحاشی پر آج ہم اس لیے خاموش رہے کہ فیشن شوز اور واہیات ٹی وی چینلز پر کام کرنے والی لڑکیاں اور عورتیں ہماری اپنی بچیاں نہیں تو یاد رہے کہ کل ان لڑکیوں اور عورتوں کی جگہ آج کے تماش بینوں اور بے حس معاشرہ کے دوسرے افراد اور ذمہ داروں میں سے کسی کی بھی بیٹی' بیوی' بہن یا ماں نیم عریاں لباس میں ہزاروں لوگوں کے سامنے کیٹ واک کر رہی ہوگی!'' (روز نامہ جنگ' ۲۲ نومبر ۲۰۱۰ء)

فواحش کے حوالے سے اسلامی تعلیمات

اُمتِ مسلمہ اور خصوصاً پاکستانی معاشرے میں بے حیائی اور فحاشی وعریانی کے تیزی سے بہتے سیلاب کے سامنے بندھ باندھنے کے لیے ذیل میں اُن قرآنی آیات کو بیان کیا جاتا ہے جن میں اللہ تعالیٰ نے فواحش اور منکرات کو موضوع بنایا ہے اور ان کی روک تھام کے لیے مختلف اسلوب اختیار کیے ہیں۔

شیطان: برائی و بے حیائی کا داعی

قرآن حکیم کی بہت سی آیات میں ایک طرف شیطان کی انسانی دشمنی کو بیان کیا گیا ہے تو دوسری طرف بنی نوع انسان کو شیطان کی پیروی سے روکنے کے لیے شیطان کے مختلف ہتھکنڈوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ شیطان کے انہی ہتھکنڈوں میں ایک بڑا ہتھیار بے حیائی کا فروغ ہے — قرآن مجید کی بے شمار آیات اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ فحاشی وعریانی اور اس جیسی

دوسری برائیوں کی طرف بنی نوع انسان کو دعوت دینے والا انسان کا ازلی دشمن شیطان ہے۔ مثلاً:

سورۃ البقرۃ' آیت ۱۶۸۔۱۶۹: ان آیات میں اوّلاً اہل ایمان کو شیطان کے راستوں کی پیروی نہ کرنے کا حکم دیا گیا اور ثانیاً یہ بتایا گیا کہ شیطان ہی برائی اور بے حیائی کا حکم دیتا ہے۔ اس سے اس تصور کی بھی نفی ہوتی ہے کہ ان سب کی تعلیم خدا کی طرف ہے' اس لیے کہ فی الواقع ان کے مِن جانب اللہ ہونے کی کوئی سند موجود نہیں ہے۔ فرمایا:

﴿يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِي الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۶۸﴾ اِنَّمَا يَاْمُرُكُمْ بِالسُّوْٓءِ وَالْفَحْشَآءِ وَاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۶۹﴾﴾ (البقرۃ)

''لوگو! زمین میں جو حلال اور پاک چیزیں ہیں انہیں کھاؤ اور شیطان کے بتائے ہوئے راستوں پر مت چلو' یقیناً وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ وہ تو تمہیں بدی اور فحش ہی کا حکم دیتا ہے اور (یہ سکھاتا ہے کہ) تم اللہ کے نام پر وہ باتیں کہو جن کے متعلق تمہیں علم نہیں ہے (کہ وہ اللہ نے فرمائی ہیں یا نہیں)۔''

سورۃ البقرۃ' آیت ۲۶۸: اس آیت میں بھی واضح طور پر اعلان کر دیا گیا کہ شیطان ہی برائی و بے حیائی کا داعی ہے۔ دوسری بات اس آیت میں یہ بیان کی گئی کہ شیطان کا ایک وطیرہ یہ ہے کہ وہ اسراف وتبذیر کی روش کو مستحکم کرنے پر پورا زور صرف کرتا ہے مگر اللہ کی راہ میں کچھ خرچ کرنے پر سدراہ بن جاتا ہے اور ناداری' غربت اور افلاس کا شکار ہونے کا خوف دلاتا ہے۔ فرمایا:

﴿اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ ۚ وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۶۸﴾﴾ (البقرۃ)

''شیطان تمہیں مفلسی سے ڈراتا ہے اور شرمناک طرزِ عمل اختیار کرنے کی ترغیب دیتا ہے' مگر اللہ تمہیں اپنی بخشش اور فضل کی امید دلاتا ہے۔ اللہ بڑا فراخ دست اور دانا ہے۔''

مفسر محمد اسحٰق خان اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''سو اس سے شیطان کی عداوت و دشمنی اور اس کے طریقہ واردات کی نشاندہی فرما دی گئی کہ وہ ایک طرف تو تم لوگوں کو فقر اور محتاجی سے ڈراتا ہے' کہ اگر تم نے اللہ کی راہ میں خرچ کیا' اور مسکینوں اور محتاجوں کو دے دیا تو تم غریب اور قلاش ہو جاؤ گے' وغیرہ وغیرہ اور دوسری طرف وہ بے حیائی کی تعلیم و ترغیب دیتا ہے' کیونکہ بے حیائی کی راہ کو اپنانے کے بعد انسان کے لیے راہ حق میں خرچ کرنے کی نہ گنجائش رہتی ہے نہ ہمت'

جس کے نتیجے میں وہ محروم ہو جاتا ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم!'' (تفسیر مدنی)

سورۃ النور، آیت ۲۱: اس آیت میں شیطان کے نقشِ قدم پر چلنے کی ممانعت اور پھر اس کے سب سے بڑے ہتھیار فواحش اور منکرات کا بطورِ مثال کے تذکرہ کیا گیا ہے۔ فرمایا:

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ ؕ وَ مَنْ یَّتَّبِعْ خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ فَاِنَّهٗ یَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْكَرِ ؕ﴾ (النور:۲۱)

''اے ایمان والو! شیطان کے قدموں کی پیروی مت کرنا۔ اور جو شخص شیطان کے قدموں کی پیروی کرے گا (وہ جان لے کہ) شیطان تو بے حیائی (کی باتیں) اور برے کام ہی کی ترغیب دیتا ہے۔''

مولانا عبدالرحمٰن کیلانیؒ اس آیت کی روشنی میں رقمطراز ہیں:

''شیطان کا تو کام ہی یہ ہے کہ تمہیں برائیوں اور بے حیائیوں کے کاموں میں مبتلا کر کے تمہارا ایمان تباہ اور تمہیں گمراہ کر دے۔ شیطان کا انسان پر سب سے پہلا وار تو یہ ہوتا ہے کہ وہ اسے شرک کی نئی راہیں سجھاتا اور انھیں بڑے خوبصورت انداز میں پیش کرتا ہے، جس سے کم ہی لوگ بچتے ہیں۔ اس طرح توحید سے گمراہ کر کے شرک میں مبتلا کر دیتا ہے، اور اس کا دوسرا وار یہ ہوتا ہے کہ لوگوں کو بے حیائی کے کاموں میں مبتلا کرے اور یہ کام بھی انہیں نہایت خوبصورت انداز میں پیش کرے۔ جنت میں شیطان نے یہی کارنامہ سرانجام دیا تھا۔ پہلے حضرت آدم وحوا علیہما السلام کو خوبصورت وعدے اور سبز باغ دکھلا کر اللہ کی نافرمانی پر آمادہ کیا، جس کے نتیجہ میں ان دونوں کا لباس اتروا دیا تھا۔ آج بھی شیطان اور ان کے چیلے اسی کام میں لگے ہوئے ہیں جو کہتے ہیں کہ گھر کی چاردیواری عورت کے لیے قید خانہ اور اس کی آزادی پر ڈاکہ ڈالنے کے مترادف ہے یا پردہ ایک دقیانوسی چیز ہے۔ کوئی قوم اس وقت تک ترقی نہیں کر سکتی جب تک عورت گھر کی چاردیواری سے باہر نکل کر اور بے حجاب ہو کر مرد کے شانہ بشانہ کام نہ کرے یا عورت کے گھر میں بند رہنے سے ملکی معیشت پر ناگوار اثر پڑتا ہے۔ ایسی سب باتیں بے حیائی کی باتیں ہیں جو خوبصورت کر کے پیش کی جاتی ہیں۔ ان کا اصل مقصد عورت و مرد کا بے حجابانہ اور آزادانہ اختلاط ہے اور بدکاری کی راہیں بڑی آسانی سے کھلنے لگتی ہیں۔ نیز جن فحاشی کے کاموں کا اوپر ذکر ہوا ہے ان میں سے اکثر کام ایسے ہیں جو تہذیب کا جزو لاینفک سمجھے جاتے ہیں۔ ایسے کاموں میں ہی اُلجھا کر شیطان انسانوں کو مزید بڑے بڑے فتنوں میں مبتلا کر دیتا ہے اور یہی اس کا اصل مقصد ہوتا ہے۔'' (تفسیر تیسیر القرآن)

فواحش و منکرات کا حکم خالقِ کائنات کی طرف سے نہیں ہے!

نبی اکرم ﷺ کی بعثت اہلِ عرب کی طرف ہوئی جو بت پرستی اور جہالت کے اندھیروں میں ڈوبے ہوئے تھے اور ان میں ہر طرح کی برائیاں موجود تھیں۔ بے حیائی کا ارتکاب بھی ان میں بہت زیادہ تھا۔ بڑے بڑے معززین کی ماؤں، بہنوں، بیٹیوں کی جسمانی صفات کا تذکرہ شعراء سرِعام محفلوں میں کیا کرتے تھے۔ ان میں بے حیائی کی ایک صورت یہ بھی موجود تھی کہ وہ بیت اللہ کا طواف برہنہ ہو کر کیا کرتے تھے۔ صرف مرد ہی نہیں بلکہ خواتین بھی ایسا کیا کرتی تھیں۔ نبی اکرم ﷺ نے جب اُنہیں اس سے منع کیا تو انہوں نے اس کے جواب میں کہا کہ یہ سب تو ہمارے آباؤ اجداد کرتے تھے، اس لیے ہم تو اس کو نہیں چھوڑیں گے۔ دوسری توجیہہ انہوں نے یہ پیش کی کہ اس کا حکم تو ہمیں خدا کی طرف سے ملا ہے تو ہم اسے کیسے چھوڑ سکتے ہیں۔

سورۃ الاعراف، آیت ۲۸: اس آیت میں بتا دیا گیا کہ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ برہنہ ہو کر طواف کرنے یا کسی بھی قسم کی بے حیائی کا حکم پروردگار کی طرف سے ہے تو وہ جھوٹے ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ پر صریحاً بہتان باندھنے والے ہیں، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ تو کبھی بھی کسی فحش کام کا حکم نہیں دیتا۔ فرمایا گیا:

﴿وَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَیْهَاۤ اٰبَآءَنَا وَ اللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا ؕ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ ؕ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۲۸﴾

''اور جب کوئی بے حیائی کا کام کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے بزرگوں کو اسی طرح کرتے دیکھا ہے اور اللہ نے بھی ہم کو یہی حکم دیا ہے۔ کہہ دو کہ اللہ بے حیائی کے کام کرنے کا حکم ہرگز نہیں دیتا۔ بھلا تم اللہ کی نسبت ایسی بات کیوں کہتے ہو جس کا تمہیں علم نہیں!''

مولانا عبدالرحمٰن کیلانیؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''مشرکینِ مکہ اگرچہ برہنگی کو باعث عار اور معیوب فعل نہیں سمجھتے تھے تاہم انہیں یہ اعتراف ضرور تھا کہ ایسی برہنگی اور بے حیائی کوئی اچھا کام نہیں۔ پھر جب انہیں اس کام سے روکا جاتا تو وہ جواب یہ دیتے کہ ہمارے آباؤ اجداد اور بڑے بزرگ بھی کعبہ کا طواف ننگے ہو کر کرتے آئے ہیں۔ وہ بزرگ ہم سے زیادہ دین دار تھے، پھر بھلا ہم کیوں نہ کریں؟ تقلید آباء کے رد میں اللہ تعالیٰ نے یہ جواب دیا کہ جب تمہارے سب

سے بڑے باپ اور بزرگ آدم شیطان کے بہکاوے میں آ گئے تھے تو پھر یہ بزرگ کیوں شیطان کے ہتھے نہیں چڑھ سکتے؟ اور چونکہ وہ اس طواف کو متبرک اور دین ہی کا حکم سمجھتے تھے لہٰذا فوراً کہہ دیتے کہ یہ اللہ ہی کا حکم ہوگا جو ہمارے بزرگ برہنہ ہو کر طواف کرتے تھے۔ اس کا جواب اللہ تعالیٰ نے یہ دیا کہ اللہ تعالیٰ تو بے حیائی کے کاموں سے روکتا ہے وہ اس کا حکم کیسے دے سکتا ہے؟ بالفاظِ دیگر جس چیز میں بے حیائی پائی جاتی ہو وہ اللہ کا حکم کبھی نہیں ہو سکتا۔'' (تفسیر تیسیر القرآن)

اس حوالے سے یہ نوٹ کر لیں کہ دورِ جاہلیت میں برہنہ طواف کی جو رسمِ بد قائم تھی اُسے نبی اکرم ﷺ نے فتح مکہ کے موقع پر اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا۔ ۹ ہجری میں نبی اکرم ﷺ نے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امیر حج بنا کر بھیجا اور اس سال حج کے اجتماع میں جو عام اعلان کیا گیا اس کے دو اہم نکات یہ تھے: (۱) اس سال کے بعد کوئی مشرک بیت اللہ میں داخل نہیں ہو سکتا' اور (۲) آئندہ کوئی ننگے ہو کر کعبہ کا طواف نہیں کر سکتا۔ (بحوالہ صحیح البخاری، کتاب المناسك، باب لا يطوف بالبيت عريانا)

اللہ عزوجل تو فواحش و منکرات سے روکتا ہے!

ماقبل بیان کردہ قرآنی آیات کی روشنی میں یہ واضح ہو گیا کہ کسی بھی قسم کی بے حیائی کا حکم ربّ العالمین کی طرف سے نہیں ہوتا' بلکہ اس کی ترغیب تو شیطان کی طرف سے ہوتی ہے اور شیطان ہی انسان کو برائی اور بے حیائی کے راستے کی طرف گامزن کرتا ہے' حتیٰ کہ اس راستہ کو ایسے مزین کر دیتا ہے کہ انسان کو برائی' برائی نظر نہیں آتی۔ اسی طرح بے حیائی اور فحاشی و عریانی کو انسان اپنی تہذیب و روایت سمجھ کر بڑے فخر سے اپناتا ہے' حالانکہ بے حیائی نہ صرف از خود گناہ ہے' بلکہ یہ تو یقینی طور پر معاشرے میں بہت سے کبیرہ گناہوں کے پھیلنے کا سبب بھی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں کئی مقامات پر بنی نوع انسان کو اس سے رکنے کا حکم دیا ہے۔

سورۃ الاعراف' آیت ۳۳: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ہر قسم کی بے حیائی' برائی' گناہ' شرک اور سرکشی کو بنی نوع انسان کے لیے حرام قرار دیتے ہوئے فرمایا:

﴿قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّیَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْیَ بِغَیْرِ الْحَقِّ وَاَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ یُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَی اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۳۳﴾

''کہہ دو کہ میرے پروردگار نے تو بے حیائی کی باتوں کو ظاہر یا پوشیدہ' اور گناہ کو' اور ناحق زیادتی کرنے کو حرام کیا ہے' اور اس کو بھی کہ تم کسی کو اللہ کا شریک بناؤ جس کی اس نے کوئی سند نازل نہیں کی' اور اس کو بھی کہ اللہ کے بارے میں ایسی باتیں کہو جن کا تمہیں کچھ علم نہیں ہے۔''

مولانا صلاح الدین یوسف ''الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ'' کے بارے میں لکھتے ہیں:

''علانیہ فحش باتوں سے مراد بعض کے نزدیک طوائفوں کے اڈّوں پر جا کر بدکاری اور پوشیدہ سے مراد کسی ''گرل فرینڈ'' سے خصوصی تعلق قائم کرنا ہے۔ بعض کے نزدیک اوّل الذکر سے مراد محرموں سے نکاح کرنا ہے جو ممنوع ہے' اس میں ہر قسم کی ظاہری بے حیائی شامل ہے' جیسے فلمیں' ڈرامے' ٹی وی' وی سی آر' فحش اخبارات و رسائل' رقص و سرور اور مجروں کی محفلیں' عورتوں کی بے پردگی اور مردوں سے ان کا بے باکانہ اختلاط' مہندی اور شادی کی رسموں میں بے حیائی کے کھلے عام مظاہرے وغیرہ یہ سب فواحش ظاہرہ ہیں۔'' (تفسیر مکی)

سورۃ النحل' آیت ۹۰: یہ آیت اپنے مضمون یعنی امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے حوالے سے قرآن حکیم کی بہت عظیم آیت ہے جس میں اللہ عزوجل نے تین چیزوں کے کرنے اور تین چیزوں سے باز رہنے کا حکم صادر فرمایا ہے۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَآئِ ذِی الْقُرْبٰی وَیَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْیِ یَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۹۰﴾

''اللہ تم کو انصاف اور احسان کرنے اور رشتہ داروں کو (خرچ سے مدد) دینے کا حکم دیتا ہے اور بے حیائی اور نامعقول کاموں اور سرکشی سے منع کرتا ہے (اور) تمہیں نصیحت کرتا ہے تاکہ تم یاد رکھو۔''

اس آیت کی اہمیت کے بارے میں مولانا شبیر احمد عثمانیؒ رقمطراز ہیں:

''قرآن کو تبیانًا لکل شیءٍ فرمایا تھا' یہ آیت اس کا ایک نمونہ ہے۔ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے ہر ایک خیر و شر کے بیان کو اس آیت میں اکٹھا کر دیا ہے۔ گویا کوئی عقیدہ' خلق' نیت' عمل' معاملہ اچھا یا برا ایسا نہیں جو امراً و نہیاً اس کے تحت میں داخل نہ ہو گیا ہو۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ اگر قرآن میں کوئی دوسری آیت نہ ہوتی تو تنہا یہ ہی آیت تبیانًا لکل شیءٍ کا ثبوت دینے کے لیے کافی تھی۔ شاید اسی لیے خلیفہ

راشد حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے خطبہ جمعہ کے آخر میں اس کو درج کر کے اُمت کے لیے اُسوۂ حسنہ قائم کر دیا۔ اس آیت کی جامعیت سمجھانے کے لیے تو ایک مستقل تصنیف کی ضرورت ہے۔'' (تفسیر عثمانی)

مولانا عبدالرحمٰن کیلانیؒ اس آیت میں بیان کردہ ممنوعات میں سے ''فحشاء'' کے بارے میں رقمطراز ہیں:

''فحش کے معنی ہر وہ قول یا فعل ہے جو قباحت اور برائی میں حد سے بڑھا ہوا ہو (مفردات) اور اس لفظ کا اطلاق عموماً ایسے اقوال و افعال پر ہوتا ہے جو زنا یا اس جیسی دوسری شہوانی حرکات کے قریب لے جاتے ہوں' نیز سب بے حیائی کے کام اور اقوال اس میں شامل ہیں۔ مثلاً برہنگی' عریانی' لواطت' محرمات سے نکاح' تہمت تراشی' گالیاں بکنا' پوشیدہ جرائم کی تشہیر' بدکاریوں پر اُبھارنے والے افسانے اور ڈرامے اور فلمیں' عریاں تصاویر' عورتوں کا بن سنور کر منظر عام پر آنا' مرد و زن کا آزادانہ اختلاط' عورتوں کا سٹیج پر ناچنا اور تھرکنا اور ناز و ادا کی نمائش سب کچھ فحشاء کے زمرہ میں آتا ہے۔'' (تیسیر القرآن)

بے حیائی اور برائی کے قریب جانے کی بھی ممانعت

محرمات کے حوالے سے قرآن مجید کا اسلوب یہ ہے کہ وہ حرام افعال اور حرام چیزوں کے قریب جانے سے بھی روکتا ہے' چہ جائیکہ حرام کی حدود میں قدم رکھا جائے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن مجید میں کہیں بھی شراب کے بارے میں حرام کا لفظ نہیں آیا اور نہ ہی زنا کے بارے میں کہیں فرمایا گیا ہے: لَا تَزْنُوْا کہ زنا نہ کرو' بلکہ اس کے بارے میں فرمایا گیا کہ اس کے قریب بھی مت جاؤ!

سورۂ بنی اسرائیل' آیت ۳۲: اس آیت میں فواحش اور منکرات میں سے سب سے سخت فعل یعنی زنا کے قریب جانے کی ممانعت کی گئی ہے۔ فرمایا:

﴿وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓی اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ط وَسَآءَ سَبِیْلًا ﴿۳۲﴾﴾

''اور زنا کے پاس بھی نہ جانا کہ وہ بے حیائی اور بری راہ ہے۔''

ڈاکٹر اسرار احمدؒ اس حوالے سے لکھتے ہیں:

''دراصل قرآن حکیم کا اسلوب یہ ہے کہ وہ حرام کے قریب جانے سے بھی روکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ زنا کے حوالے سے قرآن نے فرمایا: ﴿وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓی﴾ (بنی اسرائیل:۳۲) ''اور زنا کے قریب بھی نہ پھٹکو''۔ یعنی زنا تک جانا تو بہت دور کی بات ہے ایسے اعمال

تک بھی نہ جاؤ جو زنا تک لے جانے کا باعث بنتے ہیں۔ چنانچہ اسی مقصد کے لیے ہمارا سارا عائلی نظام ہے' پردہ ہے' مخالف جنسوں میں تفریق (seggregation of sexes) ہے کہ مخلوط معاشرہ نہ ہو' لڑکوں کے تعلیمی ادارے علیحدہ ہوں اور لڑکیوں کے علیحدہ۔ عورتوں کے ہسپتال علیحدہ ہوں جہاں عورتیں مریض' عورتیں ڈاکٹر اور عورتیں ہی نرس ہوں' جبکہ مردوں کے ہسپتالوں میں مرد مریض' مرد ڈاکٹر اور مرد ہی نرس ہونے چاہئیں۔ مردوں کے ہسپتالوں میں کوئی عورت نہ تو ڈاکٹر ہو اور نہ ہی نرس۔ یہ سراسر شریعت کے خلاف ہے' اور پھر جو کچھ وہاں ہوتا ہے وہ آپ سب کو معلوم ہے' کون نہیں جانتا۔ یہ سب وہ اعمال ہیں جو زنا تک لے جانے کا باعث بن سکتے ہیں' اس لیے ان سب سے منع کر دیا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم میں جابجا فرمایا گیا: ﴿تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا﴾ ''یہ اللہ کی حدود ہیں' ان سے تجاوز مت کرو''۔ ﴿تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا﴾ ''یہ اللہ کی حدود ہیں' ان کے قریب بھی مت جانا''۔ (ڈاکٹر صاحب کے ایک خطاب سے ماخوذ)

مولانا مودودیؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''زنا کے قریب نہ پھٹکو' اس کے حکم کے مخاطب افراد بھی ہیں' اور معاشرہ بحیثیت مجموعی بھی۔ افراد کے لیے اس حکم کے معنی یہ ہیں کہ وہ محض فعل زنا ہی سے بچنے پر اکتفا نہ کریں' بلکہ زنا کے مقدمات اور اس کے اُن ابتدائی محرکات سے بھی دور رہیں جو اس راستے کی طرف لے جاتے ہیں۔ رہا معاشرہ' تو اس حکم کی رو سے اس کا فرض یہ ہے کہ وہ اجتماعی زندگی میں زنا' اور محرکاتِ زنا' اور اسبابِ زنا کا سدباب کرے' اور اس غرض کے لیے قانون سے' تعلیم و تربیت سے' اجتماعی ماحول کی اصلاح سے' معاشرتی زندگی کی مناسب تشکیل سے' اور دوسری تمام مؤثر تدابیر سے کام لے۔ یہ دفعہ آخرکار اسلامی نظامِ زندگی کے ایک وسیع باب کی بنیاد بنی۔ اس کے منشا کے مطابق زنا اور تہمتِ زنا کو فوجداری جرم قرار دیا گیا' پردے کے احکام جاری کیے گئے' فواحش کی اشاعت کو سختی کے ساتھ روک دیا گیا' شراب اور موسیقی اور رقص اور تصاویر پر (جو زنا کے قریب ترین رشتہ دار ہیں) بندشیں لگائی گئیں' اور ایک ایسا ازدواجی قانون بنایا گیا جس سے نکاح آسان ہو گیا اور زنا کے معاشرتی اسباب کی جڑ کٹ گئی۔'' (تفہیم القرآن)

حافظ صلاح الدین یوسف اس آیت کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''اسلام میں زنا چونکہ بہت بڑا جرم ہے' اتنا بڑا کہ کوئی شادی شدہ مرد یا عورت اس کا

ارتکاب کر لے تو اسے اسلامی معاشرے میں زندہ رہنے کا ہی حق نہیں ہے۔ پھر اسے تلوار کے ایک وار سے مار دینا ہی کافی نہیں ہے' بلکہ حکم ہے کہ پتھر مار مار کر اس کی زندگی کا خاتمہ کیا جائے تا کہ معاشرے میں نشانِ عبرت بن جائے۔ اس لیے یہاں فرمایا کہ زنا کے قریب مت جاؤ' یعنی اس کے دواعی و اسباب سے بھی بچ کر رہو' مثلاً غیر محرم عورت کو دیکھنا' ان سے اختلاط' کلام کی راہیں پیدا کرنا' اسی طرح عورتوں کا بے پردہ اور بن سنور کر گھروں سے باہر نکلنا' وغیرہ ان تمام امور سے پرہیز ضروری ہے تا کہ اس بے حیائی سے بچا جا سکے۔'' (تفسیر مکی)

سورۃ الانعام' آیت ۱۵۱: اس آیت میں اللہ ربّ العزت نے پانچ چیزوں کی وصیت کی ہے: (۱) شرک سے بچنا' (۲) والدین کے ساتھ احسان کرنا' (۳) اولاد کو بھوک وافلاس کے ڈر سے قتل نہ کرنا' (۴) ظاہری اور پوشیدہ بے حیائی کے قریب نہ جانا' اور (۵) کسی بھی انسانی جان کو بغیر حق کے قتل نہ کرنا۔ فرمایا:

﴿قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۚ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ ۚ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ۚ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ۭ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝۱۵۱﴾

''(اے نبی ﷺ!) آپ کہہ دیجیے کہ (لوگو) آؤ میں تمہیں وہ چیزیں پڑھ کر سناؤں جو تمہارے پروردگار نے تم پر حرام کی ہیں (اُن کی نسبت اس نے اس طرح ارشاد فرمایا ہے) کہ کسی چیز کو اللہ کا شریک نہ بنانا اور ماں باپ سے (بدسلوکی نہ کرنا بلکہ) اچھا سلوک کرتے رہنا اور مفلسی (کے اندیشے) سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرنا (کیونکہ) تم کو اور ان کو ہم ہی رزق دیتے ہیں۔ اور بے حیائی کے کام ظاہر ہوں یا پوشیدہ ان کے پاس نہ پھٹکنا۔ اور کسی جان (والے) کو جس کے قتل کو خدا نے حرام کر دیا ہے قتل نہ کرنا' مگر جائز طور پر (یعنی جس کا شریعت حکم دے)۔ ان باتوں کی وہ تمہیں تاکید فرماتا ہے تا کہ تم سمجھو۔''

مولانا مودودیؒ لفظ ''اَلْفَوَاحِش'' کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''اصل میں لفظ ''فواحش'' استعمال ہوا ہے جس کا اطلاق اُن تمام افعال پر ہوتا ہے جن کی برائی بالکل واضح ہے۔ قرآن میں زنا' عملِ قومِ لوط' برہنگی' جھوٹی تہمت' اور باپ کی منکوحہ سے نکاح کرنے کو فحش افعال میں شمار کیا گیا ہے۔ حدیث میں چوری اور شراب

نوشی اور بھیک مانگنے کو مِن جملہ فواحش کہا گیا ہے۔ اسی طرح دوسرے تمام شرمناک افعال بھی فواحش میں داخل ہیں اور ارشادِ الٰہی یہ ہے کہ اس قسم کے افعال نہ علانیہ کیے جائیں نہ چھپ کر۔'' (تفہیم القرآن)

مولانا عبدالرحمٰن کیلانیؒ اس ضمن میں لکھتے ہیں:

''یعنی ایسے وسائل بھی اختیار نہ کرو جو تمہیں بے حیائی کے کاموں کے قریب لے جائیں اور انسان کے جنسی جذبات میں تحریک پیدا کریں۔ جیسے بے حجابی' غیر محرم عورت کی طرف دیکھنا' تماش بینی' سینما' ٹی وی' جنسی لٹریچر کا مطالعہ' عورتوں کی تصاویر کی عام نشر و اشاعت' سب کچھ اس ضمن میں آتا ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''آنکھوں کا زنا غیر محرموں کو دیکھنا ہے' کانوں کا زنا فحاشی کی باتیں سننا ہے' زبان کا زنا بے حیائی کی بات چیت کرنا ہے' ہاتھ کا زنا برائی کو ہاتھ سے کرنا ہے' پاؤں کا زنا برائی کی طرف چل کر جانا ہے' دل کا زنا اس کی خواہش اور تمنا کرنا ہے۔ پھر شرمگاہ ان سب کی یا تو تصدیق کر دیتی ہے یا تکذیب۔'' (مسلم' کتاب القدر' باب قدر علی ابن آدم حظہ من الزنا وغیرہ)۔ نیز آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ سے بڑھ کر کوئی غیرت والا نہیں' اسی لیے تو اس نے بے حیائی کے تمام کاموں کو حرام کر دیا''۔ نیز سیدہ عائشہ ؓ روایت کرتی ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے محمد ﷺ! اللہ کو سب سے زیادہ غیرت اس بات پر آتی ہے جب وہ اپنے کسی بندے یا بندی کو زنا کرتے دیکھتا ہے۔ (بخاری' کتاب النکاح' باب الغیرۃ)۔'' (تیسیر القرآن)

''عبادالرحمٰن'' فواحش کا ارتکاب نہیں کرتے!

قرآن حکیم میں بہت سے مقامات پر عبادالرحمٰن اور اہل ایمان کی صفات کا تذکرہ کیا گیا ہے' اُن میں ایک صفت یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ فحاشی اور بے حیائی کا کوئی کام نہیں کرتے۔

سورۃ المؤمنون' آیت ۵: اس سورۃ کے آغاز میں فرمایا گیا: ﴿قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝۱﴾ ''اہلِ ایمان یقیناً کامیاب ہو گئے''۔ اس کے بعد کی آیات میں اہلِ ایمان کی صفات بیان کی گئی ہیں۔ ان میں ایک صفت یہ بیان کی گئی:

﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۝۵﴾

''(اہل ایمان کی ایک صفت یہ ہے کہ) وہ اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں۔''

مولانا مودودیؒ اس بارے میں لکھتے ہیں:

''اس کے دو مطلب ہیں۔ ایک یہ کہ اپنے جسم کے قابل شرم حصوں کو چھپا کر رکھتے

ہیں‘ یعنی عریانی سے پرہیز کرتے ہیں اور اپنا ستر دوسروں کے سامنے نہیں کھولتے۔ دوسرے یہ کہ وہ اپنی عصمت وعفت کو محفوظ رکھتے ہیں‘ یعنی صنفی معاملات میں آزادی نہیں برتتے اور قوتِ شہوانی کے استعمال میں بے لگام نہیں ہوتے۔‘‘ (تفہیم القرآن)

سورۃ الشوریٰ‘ آیت ۳۷: اس آیت میں اہل ایمان کی صفات بیان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَالَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ ﴿٣٧﴾﴾

’’اور جو بڑے بڑے گناہوں اور بے حیائی کی باتوں سے پرہیز کرتے ہیں اور جب غصہ آتا ہے تو معاف کر دیتے ہیں۔‘‘

مولانا عبدالرحمٰن کیلانیؒ نے اس آیت کے ضمن میں فحاشی اور اس کے دائرہ کار کے حوالے سے بہت تفصیلی گفتگو کی ہے جو اپنے موضوع کے حوالے سے بہت کار آمد ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

’’فحاشی اور اس کا دائرہ: فحاشی سے مراد ہر وہ کام ہے جو انسان کی قوتِ شہوانیہ سے تعلق رکھتا ہو۔ اسلام نے جنسی چھیڑ چھاڑ اور حاجت پوری کرنے کے لیے شرعی نکاح کی راہ کھول دی ہے۔ اس کے علاوہ جو بھی طریقے ممکن ہیں ان سب پر پابندی لگا دی ہے۔ مثلاً زنا‘ اغلام‘ لواطت‘ مشت زنی‘ عورتوں کی عورتوں سے ہم بستری‘ جانوروں سے بدفعلی وغیرہ‘ سب حرام اور بدترین جرم ہیں۔ اور ان سب کو ’فاحشة مبينة‘‘ (النساء:۱۹) کہا جاتا ہے‘ اور جو باتیں زنا سے قریب لے جانے والی ہیں وہ سب فواحش میں داخل ہیں۔ مثلاً بدنظری یا غیر محرم کی طرف دیکھنا‘ عورتوں کا اپنی زینت اور حسن کے مقامات کی کھلے بندوں نمائش کرنا‘ آزادانہ اختلاطِ مردوزن‘ فحش گالی گلوچ‘ غیر مرد اور غیر عورت کی خلوت‘ یا عورتوں کا بغیر محرم کے سفر کرنا وغیرہ وغیرہ۔ علاوہ ازیں فحش قسم کی خبروں کو پھیلانا بھی فحاشی میں داخل ہے۔ آج کل فحاشی کی اشاعت کی اور بھی بہت سی صورتیں پیدا ہو چکی ہیں۔ مثلاً تھیٹر‘ سینما گھر‘ کلب ہاؤس‘ ہوٹل‘ ریڈیو پر زہد شکن گانے‘ ٹی وی پر شہوت انگیز پروگرام‘ فحاشی پھیلانے والا لٹریچر‘ ناول‘ افسانے اور ڈرامے وغیرہ۔ اخبارات واشتہارات وغیرہ میں عورتوں کی عریاں تصاویر۔ غرضیکہ فحاشی کی اشاعت کا دائرہ آج کل بہت وسیع ہو چکا ہے۔ ایمانداروں کا کام یہ ہے کہ ایسے فحاشی کے سب کاموں سے خود بھی بچیں اور دوسروں کو بچنے کی تلقین کریں۔‘‘ (تفسیر تیسیر القرآن)

سورۃ النجم‘ آیت ۳۲: اس آیت میں نیک اعمال کرنے والوں کی صفات کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا گیا:

﴿اَلَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ اِلَّا اللَّمَمَ ۭ اِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ ۭ﴾

’’جو صغیرہ گناہوں کے سوا بڑے بڑے گناہوں اور بے حیائی کی باتوں سے اجتناب کرتے ہیں۔ بیشک تمہارا پروردگار بڑی بخشش والا ہے۔‘‘

حافظ صلاح الدین یوسف اس آیت میں موجود ’’اَلْفَوَاحِش‘‘ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

’’فواحش‘ فاحشت کی جمع ہے۔ بے حیائی کے مظاہر چونکہ بہت عام ہو گئے ہیں اس لیے بے حیائی کو ’’تہذیب‘‘ سمجھ لیا گیا حتیٰ کہ اب مسلمانوں نے بھی اس ’’تہذیب بے حیائی‘‘ کو اپنا لیا ہے۔ چنانچہ گھروں میں ٹی وی‘ وی سی آر وغیرہ عام ہیں‘ عورتوں نے نہ صرف پردے کو خیر باد کہہ دیا‘ بلکہ بن سنور کر اور حسن و جمال کا مجسم اشتہار بن کر باہر نکلنے کو اپنا شعار اور وطیرہ بنا لیا ہے۔ مخلوط تعلیم‘ مخلوط ادارے‘ مخلوط مجلسیں اور دیگر بہت سے موقعوں پر مردوزن کا بے باکانہ اختلاط اور بے محابا گفتگو روز افزوں ہے‘ دراں حالیکہ یہ سب ’’فواحش‘‘ میں داخل ہیں‘ جن کی بابت یہاں بتلایا جا رہا ہے کہ جن لوگوں کی مغفرت ہونی ہے‘ وہ کبائر فواحش سے اجتناب کرنے والے ہوں گے نہ کہ ان میں مبتلا۔‘‘ (تفسیر مکی)

اس آیت میں ایک غور طلب لفظ ’’اللَّمَمَ‘‘ ہے‘ اس حوالے سے مولانا شبیر احمد عثمانی لکھتے ہیں:

’’لمم‘‘ کی تفسیر میں کئی قول ہیں۔ بعض نے کہا کہ جو خیالات وغیرہ گناہ کے دل میں آئیں مگر ان کو عمل میں نہ لائے وہ ’’لمم‘‘ ہیں۔ بعض نے کہا کہ جس گناہ پر اصرار نہ کرے یا اس کی عادت نہ ٹھہرائے یا جس گناہ سے توبہ کرلے وہ مراد ہے۔‘‘ (تفسیر عثمانی)

سورۂ آلِ عمران‘ آیت ۱۳۵: اس آیت میں متقین کی ایک یہ صفت بیان کی گئی کہ اگر اُن سے کوئی برائی یا بے حیائی کا کام سرزد ہو جاتا ہے تو اس پر اڑے نہیں رہتے بلکہ اپنے رب کے حضور معافی کے طلب گار ہوتے ہیں اور اللہ بھی انہیں معاف فرما دیتا ہے۔ ارشاد ہوا:

وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَھُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِھِمْ ۠ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۠ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰي مَا فَعَلُوْا وَھُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿١٣٥﴾

’’(متقین کی ایک صفت یہ ہے کہ) اگر کبھی کوئی فحش کام ان سے سرزد ہو جاتا ہے یا کسی گناہ کا ارتکاب کر کے وہ اپنے اوپر ظلم کر بیٹھتے ہیں تو فوراً اللہ انہیں یاد آ جاتا ہے اور اس سے وہ اپنے قصوروں کی معافی چاہتے ہیں۔ کیونکہ اللہ کے سوا اور کون ہے جو گناہ معاف کر سکتا ہو؟ اور وہ کبھی دانستہ اپنے کیے پر اصرار نہیں کرتے۔‘‘

اسلام کا نظامِ عفت

ایک طرف تو قرآن مجید نے فحاشی و بے حیائی کو شیطان کی طرف منسوب کیا ہے اور

دوسری طرف اہل ایمان کو اس سے باز رکھنے کے لیے مختلف اسلوب اختیار کیے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ قرآن مجید نے اہل ایمان کو فحاشی و عریانی اور بے حیائی کے مقابلے میں حیا اور عفت و پاک دامنی اپنانے کا حکم دیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی بے حیائی کے مقابلے میں حیا کی تحسین فرمائی ہے اور حیا کو لازم پکڑنے کی تاکید کی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((اَلْحَیَاءُ شُعْبَةٌ مِنَ الْاِیْمَانِ)) (صحیح مسلم)

''حیا ایمان کا ایک حصہ ہے۔''

((اِذَا لَمْ تَسْتَحْیِ فَافْعَلْ مَا شِئْتَ)) (سنن ابی داؤد)

''اگر تم میں حیا نہیں تو جو جی میں آئے کرو!''

حیا کی اہمیت کے حوالے سے ڈاکٹر اسرار احمدؒ لکھتے ہیں:

''حیا گویا انسان اور ہر بُرے کام کے درمیان پردہ ہے۔ جب تک یہ پردہ قائم رہتا ہے انسان عملی طور پر برائی سے بچا رہتا ہے' اور جب یہ پردہ اُٹھ جاتا ہے تو پھر انسان بے شرم ہو کر آزاد ہو جاتا ہے۔ پھر وہ ع ''بے حیا باش و ہر چہ خواہی کن!'' کا مصداق بن کر جو چاہے کرتا پھرتا ہے۔'' (بیان القرآن)

اسلام کے نظامِ عفت کے حوالے سے قرآن مجید نے مختلف مقامات پر تفصیلی احکامات دیے ہیں' جن میں سورۃ النور اور سورۃ الاحزاب نمایاں ہیں۔

سورۃ النور' آیت ۳۰۔۳۱: اس آیت میں اسلام کے نظامِ عفت و عصمت کو بیان کیا گیا ہے۔ فرمایا:

﴿قُلْ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَیَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ؕ ذٰلِكَ اَزْكٰی لَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌۢ بِمَا یَصْنَعُوْنَ ۝۳۰ وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ یَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَیَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا یُبْدِیْنَ زِیْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْیَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰی جُیُوْبِهِنَّ وَلَا یُبْدِیْنَ زِیْنَتَهُنَّ ...... وَلَا یَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِیُعْلَمَ مَا یُخْفِیْنَ مِنْ زِیْنَتِهِنَّ ؕ وَتُوْبُوْۤا اِلَی اللّٰهِ جَمِیْعًا اَیُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝۳۱﴾ (النور)

''(اے نبی ﷺ!) مؤمن مردوں سے کہہ دیجیے کہ اپنی نظریں نیچی رکھا کریں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کیا کریں' یہ ان کے لیے بڑی پاکیزگی کی بات ہے' (اور) جو کام یہ لوگ کرتے ہیں اللہ ان سے خبردار ہے۔ اور (اے نبی ﷺ!) مؤمن عورتوں سے بھی کہہ دیجیے کہ وہ بھی اپنی نگاہیں نیچی رکھا کریں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کیا

کریں اور اپنی آرائش (یعنی زیور کے مقامات) کو ظاہر نہ ہونے دیا کریں مگر جو اس میں سے کھلا رہتا ہو اور اپنے سینوں پر اوڑھنیاں اوڑھے رہا کریں اور اپنی زینت (اور سنگھار کے مقامات) کو ظاہر نہ ہونے دیں...... اور اپنے پاؤں (ایسے طور سے زمین پر) نہ ماریں کہ (چھنکار کی آواز کانوں میں پہنچے اور) ان کا پوشیدہ زیور معلوم ہو جائے۔ اور اے اہل ایمان! تم سب اللہ کے حضور توبہ کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔''

مولانا شبیر احمد عثمانیؒ بدنظری کو زنا کی پہلی سیڑھی قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''بدنظری عموماً زنا کی پہلی سیڑھی ہے۔ اسی سے بڑے بڑے فواحش کا دروازہ کھلتا ہے۔ قرآن کریم نے بدکاری اور بے حیائی کا انسداد کرنے کے لیے اول اسی سوراخ کو بند کرنا چاہا۔ یعنی مسلمان مرد و عورت کو حکم دیا کہ بدنظری سے بچیں اور اپنی شہوات کو قابو میں رکھیں۔ اگر ایک مرتبہ بے ساختہ مرد کی کسی اجنبی عورت پر یا عورت کی کسی اجنبی مرد پر نظر پڑ جائے تو دوبارہ ارادہ سے اس طرف نظر نہ کرے۔ کیونکہ یہ دوبارہ دیکھنا اس کے اختیار سے ہوگا' جس میں وہ معذور نہیں سمجھا جا سکتا۔ اگر آدمی نگاہ نیچی رکھنے کی عادت ڈال لے اور اختیار و ارادہ سے ناجائز امور کی طرف نظر اٹھا کر نہ دیکھا کرے تو بہت جلد اس کے نفس کا تزکیہ ہو سکتا ہے۔'' (تفسیر عثمانی)

اس آیت کی تفسیر میں تفسیر ابن کثیر' تفہیم القرآن اور تقریباً تمام تفاسیر میں اسلام کے نظامِ عفت کو بہت تفصیل سے بیان کیا گیا ہے جس کو طوالت کے ڈر سے یہاں نقل نہیں کیا جا رہا۔

فحاشی کا سیلابی ریلا روکنے کے لیے چند اقدامات

مضمون کی ابتدا میں فحاشی اور بے حیائی کے حوالے سے قدرے اختصار کے ساتھ گفتگو کی گئی ہے' جس میں اس کے نقصانات اور بنی نوع انسان کو اس سے روکنے کے لیے اس سے متعلقہ تقریباً تمام قرآنی آیات اور ان کی مختصر تشریح کو بیان کیا گیا ہے۔ اسی ضمن میں مشہور کالم نگار انصار عباسی کے کالم کا ایک اقتباس بھی پیش کیا گیا جس میں انہوں نے فحاشی اور بے حیائی کے سیلاب کے آگے بند نہ باندھنے اور اس پر خاموش رہنے کی صورت میں بہت ہی سنگین خطرات سے آگاہ کیا ہے۔ چنانچہ ہمیں ان کے سدباب کے لیے ہر سطح یعنی انفرادی و اجتماعی اور حکومتی و عوامی سطح پر کوشش کرنا ہوگی۔ ذیل میں چند ایک اقدامات کا ذکر کیا جاتا ہے:

(۱) نبی اکرم ﷺ کے فرمان کے مطابق قیامت کے دن ہر شخص سے اُس کی رعیت کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔ اس تناظر میں گھر کا سربراہ اپنے گھر کے افراد کا راعی ہے اور قیامت

کے دن اُس سے گھر والوں کے بارے میں ضرور پوچھ گچھ ہوگی' اس لیے اُسے چاہیے کہ وہ اپنے زیرِ اثر حلقے میں فحاشی اور بے حیائی کے خلاف آواز اُٹھائے اور گھر کی بیٹی' بہن' بیٹے' بھائی اور افرادِ خانہ کو نئی تہذیب کی اس سڑاند سے محفوظ رکھے۔ اس سے یہ ہوگا کہ گھر کے اکثر افراد کی بہترین طرز پر نشو ونما ہوگی اور فحاشی اور بے حیائی وغیرہ سے ان کی طبیعت اِباء کرے گی۔ اس طرح ان باحیا افراد کے ملنے سے بننے والا معاشرہ بھی ایک صالح معاشرہ ہوگا جس میں فواحش ومنکرات کا دور دورہ نہیں ہوگا۔ اس حوالے سے اللہ عزوجل کا یہ ارشاد بھی یاد رکھنے کی ضرورت ہے: ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِیْكُمْ نَارًا وَّ قُوْدُهَا النَّاسُ وَ الْحِجَارَةُ......﴾ (التحریم:٦) ''اے ایمان والو! اپنے اور اپنے گھر والوں کو جہنم کی آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے......''

(۲) اس حوالے سے معاشرہ کے پڑھے لکھے لوگ اور خاص طور پر ائمہ کرام' واعظین اور مبلّغین کی یہ ذمہ داری ہے کہ پوری دلجمعی کے ساتھ فواحش ومنکرات کے دنیوی اور اُخروی نقصانات لوگوں کے سامنے بیان کریں اور لوگوں کو اس سے دور رکھنے کے لیے اپنا کردار ادا کریں۔ یہ قدم انسدادِ فواحش ومنکرات کے لیے بہت مفید ہوگا۔

(۳) اس کے علاوہ تمام اہل قلم' صحافی حضرات' کالم نگار' دینی جرائد کے مدیران اور کسی نہ کسی سطح پر لکھنے والوں کو چاہیے کہ پاکستان میں فحاشی کے اس بڑھتے ہوئے سیلاب کے سامنے بندھ باندھنے کے لیے اپنی ذمہ داریوں کو احسن طریقے سے ادا کریں اور اپنی تحریروں کے ذریعے عوام الناس کے دلوں میں بے حیائی اور منکرات سے دوری کا جذبہ بیدار کریں۔

(۴) دینی جماعتوں کو چاہیے کہ وہ منظّم اور مجتمع ہو کر ایوانوں میں موجود فحاشی کے دلدادہ سیاستدانوں اور بیوروکریسی میں موجود ''شوقین'' مزاج افسران کے خلاف آواز بلند کریں۔ اس لیے کہ گزشتہ چند سالوں میں ''حقوقِ نسواں'' اور ''روشن خیالی'' کے پُرفریب نام پر پاکستان میں فحاشی کو عام کرنے میں انہی لوگوں کا ہاتھ ہے اور یہی لوگ اپنے غیر ملکی آقاؤں کو خوش کرنے کے لیے سکولوں' کالجوں' یونیورسٹیوں میں فیشن شوز اور ثقافتی شوز کی آڑ میں نوجوان نسل کو بے حیائی کا درس دلوانے میں آگے آگے ہیں۔

(۵) حکومتی سطح پر اگر فواحش ومنکرات کے سدباب کے لیے اقدامات کیے جائیں تو اس کے بہت مفید اور دور رس نتائج حاصل ہوں گے' مگر افسوس کہ ہمیں حکومتی سطح پر کوئی ایسا شخص نظر نہیں آتا جو اس طرف توجہ دے۔ ہر نیا آنے والا حکمران طبقہ امریکہ اور یہود وہنود کی

تہذیب کے خلاف آواز بلند کرنے کا بھی روادار نہیں ہوتا چہ جائیکہ وہ اس کے سدباب کے لیے عملاً کچھ کرے۔ اس صورتحال میں دینی مزاج کے حامل سیاستدانوں اور اسمبلی ممبران کو چاہیے کہ وہ باقی سیاستدانوں اور اسمبلی ممبران کی ذہن سازی کریں اور پاکستان میں ہر سُو چھائی ہوئی بے حیائی کی فضا کو ختم کرنے کے لیے اُنہیں قائل کریں۔ اس کے بعد بے حیائی کے خلاف اسمبلی میں کوئی قانون پیش کریں۔ اگر ایسا ہو جائے تو اس کے یقیناً بہت دور رس نتائج حاصل ہوں گے۔

(٦) مختلف غیر ملکی این جی اوز' فلاح و بہبود کے نام پر لوگوں کو اسلام' اسلامی تعلیمات اور اسلامی تہذیب وتمدن سے دور کر رہی ہیں اور ہمارے ملک میں موجود بیشتر ٹی وی چینلز اور تقریباً تمام موبائل کمپنیاں بھی اسی مقصد کو جاری رکھے ہوئے ہیں۔ اس حوالے سے سپریم کورٹ آف پاکستان کو چاہیے کہ ازخود نوٹس لیتے ہوئے پاکستان میں موجود تمام این جی اوز' الیکٹرانک میڈیا اور موبائل کمپنیوں کے بارے میں تفصیلی تحقیقات کرائیں تاکہ حقیقت واضح ہو کر سامنے آجائے۔

ایک گزارش

ہم سب کو یہ ضرور یاد رکھنا چاہیے کہ رسول اللہ ﷺ نے برائی کو روکنے کے تین درجات بیان کیے ہیں کہ اگر کوئی شخص برائی کو دیکھے تو: (۱) طاقت ہو تو ہاتھ سے روکے' ورنہ (۲) زبان سے اُسے برا کہے' یا (۳) کم از کم دل میں اُس برائی کو برا جانے۔ اب اگر کوئی شخص برائی کو دیکھ کر ان میں سے کچھ بھی نہیں کرتا تو وہ نبی اکرم ﷺ کے اس فرمان کے مطابق انسدادِ منکرات کے حوالے سے اپنی ذمہ داری احسن طریقے سے ادا نہیں کر رہا۔ اس حوالے سے کل قیامت کے دن اُس سے ضرور پوچھ گچھ کی جائے گی۔ اس لیے ہمیں چاہیے کہ پاکستان میں فحاشی وعریانی' بے حیائی اور دوسرے منکرات کو پھیلنے سے روکنے کے لیے اپنی سطح پر کچھ نہ کچھ اقدام ضرور کریں اور اپنی نئی نسل کو صحیح معنوں میں اُس اسلامی تہذیب وتمدن سے روشناس کرائیں جو شرم وحیا کے گرد گھومتی ہے۔

آخر میں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ پورے عالم اسلام' خصوصاً پاکستان کو ہر قسم کے منکرات' خاص طور پر بے حیائی اور فحاشی وعریانی سے پاک وصاف کر دے اور ہم میں سے ہر ایک کو ان کے انسداد کے لیے اپنا حصہ ڈالنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یا ربّ العالمین!

اکرامِ مسلم

پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

اُمتِ مسلمہ ربّ العالمین کے چنیدہ لوگوں پر مشتمل ہے۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ثُمَّ اَوۡرَثۡنَا الۡکِتٰبَ الَّذِیۡنَ اصۡطَفَیۡنَا مِنۡ عِبَادِنَا ۚ﴾ (فاطر:۳۲)

’’پھر ہم نے وارث کیے کتاب کے وہ لوگ جن کو ہم نے اپنے بندوں میں سے چُن لیا۔‘‘

یہ آیت مسلمانوں کی فضیلت پر شاہد ہے۔ فضیلت والے اس مقام کا تقاضا ہے کہ مسلمان آپس میں بھائی بھائی بن کر رہیں۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے: ﴿اِنَّمَا الۡمُؤۡمِنُوۡنَ اِخۡوَۃٌ﴾ (الحجرات:۱۰) ’’بلاشبہ مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں‘‘۔ گویا ایک مسلمان پر لازم ہے کہ وہ اپنے دوسرے مسلمان بھائی کا خیر خواہ‘ ہمدرد اور غم خوار ہو۔ ہر انسان پسند کرتا ہے کہ اس کی عزت ہو‘ اس کو نفع پہنچے‘ اُس کی خیر خواہی کی جائے۔ اُس کی غیر حاضری میں اُس کے اچھے کاموں کی تعریف کی جائے۔ پس اخوت کا تقاضا یہ ہے کہ ہر مسلمان دوسرے مسلمانوں کے ساتھ ایسا ہی رویہ رکھے‘ بلکہ ایسا رویہ تو مسلمان ہونے کی علامت ہے۔ حضرت انس بن مالک ؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لَا یُؤۡمِنُ اَحَدُکُمۡ حَتّٰی یُحِبَّ لِاَخِیۡہِ مَا یُحِبُّ لِنَفۡسِہٖ)) (متفق علیہ)

’’تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک ایمان والا نہیں ہوسکتا جب تک وہ اپنے مسلمان بھائی کے لیے وہی پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔‘‘

اس مضمون کو مختلف احادیث میں بیان کیا گیا ہے۔ ملاقات کے وقت السلام علیکم کہنا شعائرِ اسلام میں سے ہے۔ ایک مسلمان دوسرے مسلمان سے ملاقات کرتا ہے تو اُس وقت اُس کے لیے سلامتی کی دعا کرتا ہے۔ جس کو دعا دی جاتی ہے وہ بھی جواباً انہی الفاظ میں یا ان سے بہتر الفاظ میں دعا دیتا ہے۔ حضرت حذیفہ بن یمان ؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ’’مؤمن جب مؤمن سے ملتا ہے‘ اس کو سلام کرتا ہے اور اس کا ہاتھ پکڑ کر مصافحہ

کرتا ہے تو دونوں کے گناہ اس طرح جھڑتے ہیں جیسے درخت کے پتے جھڑتے ہیں۔‘‘ (ترمذی)

سلام اس قدر محبت پیدا کرنے کا باعث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بارہا اس کی تلقین فرمائی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ’’دو مسلمان آپس میں ملتے ہیں اور مصافحہ کرتے ہیں تو جدا ہونے سے پہلے دونوں کے گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔‘‘ (ابوداوٗد) ملاقات کے وقت مسلمان اپنے مسلمان بھائی کے ساتھ خوشی کے جذبات اور خندہ پیشانی سے ملتا ہے تو یہ بڑا فضیلت کا عمل ہے۔ حضرت انس بن مالک ؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی مکرم ﷺ نے فرمایا: ’’جو شخص اپنے مسلمان بھائی کو خوش کرنے کے لیے اس طرح ملتا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ پسند فرماتے ہیں تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسے خوش کر دیں گے۔‘‘ (رواہ الطبرانی فی الصغیر)

مسلمان بھائی کے لیے نیک تمنا اور اچھی دعا بڑے اجر و ثواب کا باعث ہے۔ اگر یہ دعا کسی کی غیر حاضری میں کی جائے تو اس کی فضیلت زیادہ ہو جاتی ہے۔ حضرت ابودرداء ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’مسلمان کی دعا اپنے مسلمان بھائی کے لیے پیٹھ پیچھے قبول ہوتی ہے۔ دعا کرنے والے کے سر کے جانب ایک فرشتہ مقرر ہوتا ہے‘ جب بھی یہ دعا کرنے والا اپنے بھائی کے لیے بھلائی کی دعا کرتا ہے تو اس پر وہ فرشتہ آمین کہتا ہے (اور دعا کرنے والے سے کہتا ہے) اللہ تعالیٰ تمہیں بھی اس جیسی بھلائی دے جو تم نے اپنے بھائی کے لیے مانگی ہے۔‘‘ (مسلم)

جب مسلمان جمائی لیتا ہے تو ’’الحمد للہ‘‘ کہتا ہے۔ جو شخص یہ کلمہ سنتا ہے اُس پر لازم ہے کہ وہ جواباً ’’یرحمک اللہ‘‘ کہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرے۔ گویا جب کسی نے اللہ کی حمد کی تو سننے والا اسے دعا دے کہ اللہ تعالیٰ تجھ پر رحم کرے۔ یہ انداز محبت اور خیر خواہی کا مظہر ہے۔

زندگی میں بعض اوقات کسی مشکل کا سامنا کرنا پڑ جاتا ہے یا مصیبت کا کوئی وقت آ جاتا ہے تو ایسی صورت میں اپنے مسلمان بھائی کے ساتھ دامے‘ درمے‘ سخنے ہمدردی کا اظہار اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا باعث ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر ؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ’’جو کوئی اپنے بھائی کی حاجت پوری کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی حاجت پوری فرماتے ہیں۔‘‘ (ابوداوٗد) گویا دوسرے مسلمان کی حاجت پوری کرنے سے بندہ اللہ کی ذمہ داری میں آ جاتا ہے۔ مسلمان بھائی کو جس طرح کی مدد کی ضرورت ہو مشکل میں اس کا ساتھ دینا اجر و ثواب کا باعث اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا سبب ہے۔ حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ’’جو شخص اپنے کسی بھائی کے کام کے لیے چل کر جاتا ہے تو اس کا

یہ عمل دس سال کے اعتکاف سے افضل ہے اور جو شخص ایک دن کا اعتکاف بھی اللہ کی رضا کے لیے کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے اور جہنم کے درمیان تین خندقیں حائل فرما دیتے ہیں' ہر خندق زمین و آسمان کی مسافت سے زیادہ چوڑی ہے۔'' (طبرانی' مجمع الزوائد)

اسلامی بھائی چارے میں محبت' الفت اور اپنائیت کا عنصر اس قدر اہم ہے کہ ایک مسلمان کسی دوسرے مسلمان کا بدخواہ اور اذیت کا باعث نہیں ہو سکتا۔ اگر ایسا ہو تو فاعل کا اسلام ہی مشکوک ہو جاتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں۔'' (بخاری) یوں مسلمان اپنے بھائیوں کے لیے شرافت' نرمی اور حمایت کا مجموعہ ہو جاتا ہے۔

مہمان کی عزت کرنا' اس کے آرام اور ضروریات کا خیال رکھنا اسلامی اخلاق کی اہم تعلیم ہے۔ حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جو اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اس کو چاہیے کہ اپنے مہمان کا اکرام کرے۔'' آپ ﷺ نے یہ بات تین بار ارشاد فرمائی۔ ایک شخص نے عرض کیا: یا رسول اللہ! مہمان کا اکرام کیا ہے؟ ارشاد فرمایا: ''تین دن۔ اور جو اس کے بعد بیٹھا رہے تو میزبان کا کھانا پلانا مہمان پر احسان ہے۔'' (مسند احمد)

مسلمان بھائی کا اکرام یہ بھی ہے کہ اگر وہ بیمار ہو جائے تو اس کی عیادت کی جائے۔ عیادت کے موقع پر ایسی امید افزا گفتگو کی جائے کہ مریض کا دل خوش ہو جائے اور عیادت اس کے لیے سکون اور چین کا باعث ہو۔ عیادت بڑی فضیلت کا کام ہے۔ حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا: ''جو مسلمان کسی مسلمان کی صبح کو عیادت کرتا ہے تو شام تک ستر ہزار فرشتے اُس کے لیے دعا کرتے رہتے ہیں اور جو شام کو عیادت کرتا ہے تو صبح تک ستر ہزار فرشتے اُس کے لیے دعا کرتے رہتے ہیں اور اسے جنت میں ایک باغ مل جاتا ہے۔'' (ترمذی) مریض کی عیادت جہاں بیمار کے لیے خوش آئند ہوتی ہے وہاں عیادت کرنے والا مریض سے اپنے حق میں دعا بھی کرا سکتا ہے اور مریض کی دعا مستجاب ہوتی ہے۔ حضرت عمر بن خطابؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: ''جب تم مریض کے پاس جاؤ تو اس سے کہو کہ وہ تمہارے لیے دعا کرے' کیونکہ اس کی دعا فرشتوں کی دعا کی طرح ہوتی ہے۔'' (ابن ماجہ)

اگر کوئی مسلمان بھائی ضرورت مند ہو اور وہ قرض کا سوال کرے تو اسے انکار کر کے

مایوس اور بددل نہیں کرنا چاہیے بلکہ حسبِ استطاعت اس کی مدد کرنا چاہیے۔ اس طرح ایک مسلمان بھائی اپنی ضرورت پوری کر لے گا اور ضرورت کے وقت کام آنے والا شخص بے حساب اجر و ثواب پائے گا۔ اور اگر مقروض کے نامساعد حالات کی وجہ سے اسے قرضے کی ادائیگی میں مہلت دی جائے تو یہ عمل قرضے کے ثواب سے کئی گنا بڑھ جاتا ہے۔ حضرت عمران بن حصینؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جس شخص کا کسی دوسرے شخص پر کوئی حق (قرضہ وغیرہ) ہو اور وہ اس مقروض کو ادا کرنے کے لیے دیر تک مہلت دے دے تو اس کو ہر دن کے بدلے صدقہ کا ثواب ملے گا۔'' (مسند احمد)

اگر مسلمان بھائی عمر میں بڑا ہو تو اس کی تعظیم کی جائے' ادب و احترام کے ساتھ بلایا جائے' اسے عزت کا احساس دلایا جائے۔ اور اگر مسلمان بھائی عمر میں چھوٹا ہو تو اس کے ساتھ شفقت اور ہمدردی کا سلوک کیا جائے۔ اسلامی اخلاق کی یہ چیزیں آپس کی محبت اور مودّت میں اضافے کا باعث بنتی ہیں۔ اس لیے اسلامی تعلیمات میں ان کی بڑی اہمیت ہے۔ حضرت عبادہ بن صامتؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جو شخص ہمارے بڑوں کی تعظیم نہ کرے اور ہمارے بچوں پر رحم نہ کرے اور ہمارے عالم کا حق نہ پہچانے وہ میری امت میں سے نہیں ہے۔'' (مسند احمد)

مسلمان کے لیے لازم ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کا عیب ظاہر نہ کرے۔ انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے' ہر شخص سے نامناسب اور غیر محتاط کام ہو سکتا ہے۔ ایسی صورت میں اگر کسی مسلمان کو کسی دوسرے مسلمان کی کمزوری' راز' عیب' غلطی یا گناہ کے کام کا علم ہو جائے تو اسے دوسروں پر ظاہر نہ کرے' بلکہ اُس کی پردہ پوشی کر کے اسے ندامت سے بچائے۔ یہ بڑے اجر و ثواب کا کام ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص دنیا میں کسی مسلمان کے عیوب پر پردہ ڈالے گا اللہ تعالیٰ آخرت میں اس کے عیوب پر پردہ ڈالے گا......'' (مسند احمد)

اگر کسی مسلمان بھائی سے قصور ہو جائے یا جسمانی تکلیف پہنچے تو حتی الوسع اسے معاف کر دینا چاہیے۔ یہ مسلمان بھائی کا اکرام ہے۔ اگر وہ اپنی غلطی پر معذرت کرے تو اُس کی معذرت قبول کر لینی چاہیے۔ حضرت ابودرداءؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا: ''جس شخص کو بھی (کسی کی طرف سے) جسمانی تکلیف پہنچے پھر اس

کو معاف کر دے تو اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے اس کا ایک درجہ بلند فرما دیتے ہیں اور ایک گناہ معاف فرما دیتے ہیں۔‘‘ (ترمذی)

اپنے مسلمان بھائی کے بارے میں بدگمانی سے منع کیا گیا ہے اور ہر اس طرزِ عمل اور گفتگو سے باز کیا گیا ہے جس سے اس کی عزت میں فرق آتا ہو یا اہانت ہوتی ہو۔ خانہ کعبہ دنیا کے مسلمانوں کا مرکزی مقام ہے۔ اس کا احترام ہر مسلمان کے دل میں ہے۔ نماز ادا کرتے وقت مسلمان اس کی طرف رخ کرتے ہیں۔ حج کے موقع پر اس کا طواف کرتے ہیں۔ خانہ کعبہ اللہ کا گھر ہے‘ اس کی عظمت بہت زیادہ ہے۔ خانہ کعبہ کے سامنے بیٹھ کر اسے عقیدت کے ساتھ دیکھنا بھی ثواب کا باعث ہے۔ لیکن رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے مطابق ایک مسلمان کی عزت و حرمت خانہ کعبہ سے بھی زیادہ ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کعبہ کو دیکھ کر ارشاد فرمایا: ’’لا الٰہ اِلا اللہ (اے کعبہ!) تو کس قدر پاکیزہ ہے‘ تیری خوشبو کس قدر عمدہ ہے اور تو کتنا زیادہ قابلِ احترام ہے (لیکن) مؤمن کی عزت و احترام تجھ سے زیادہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تجھ کو قابلِ احترام بنایا ہے اور (اسی طرح) مؤمن کے مال‘ خون اور عزت کو بھی قابلِ احترام بنایا ہے۔ اس بات کو بھی حرام قرار دیا ہے کہ ہم مؤمن کے بارے میں ذرا بھی بدگمانی کریں۔‘‘ (طبرانی‘ مجمع الزوائد)

پاکستان میں اس کے قیام سے اب تک احیائے اسلام کی کوششوں کا جائزہ

تحریک اسلامی پاکستان کے زیر اہتمام مذاکرہ میں

امیر تنظیم اسلامی **حافظ عاکف سعید** حفظہ اللہ کا فکر انگیز خطاب

جو گزشتہ اعلان کے مطابق موجودہ شمارے میں شائع ہونا تھا‘ بوجوہ شاملِ اشاعت نہیں کیا جا سکا۔ یہ خطاب‘ ان شاء اللہ العزیز‘ اب آئندہ شمارے میں شائع کیا جائے گا۔

AN-NISA ISLAMIC INSTITUTE

روایتی مدارس سے مختلف انداز میں جدید طریقوں سے معلمات کی تیاری کے لیے

معروف سکالر ڈاکٹر زیبا وقار وڑائچ کی زیر نگرانی

النساء اسلامک انسٹیٹیوٹ (رجسٹرڈ)

کے تحت 2 سالہ Certificate Cources کا آغاز یکم اکتوبر 2013ء سے ہو رہا ہے

پک اینڈ ڈراپ اور رہائش بالکل مفت

(1) تعلیم دین کورس (ہفتہ میں 5 دن‘ پیر تا جمعہ) دورانیہ 2 سال‘ اوقات: 8 بجے صبح تا 2 بجے دوپہر

نصاب: قرآن (مکمل قرآن کا لفظی ترجمہ‘ تفسیر تفہیم القرآن) صرف و نحو‘ تجوید‘ حدیث (بخاری)‘ آدابِ زندگی‘ منتخب حفظ‘ تربیت و تزکیہ‘ سیرت النبی ﷺ‘ سیرت صحابہ و صحابیات‘ سوانح عمری‘ اسلامی تاریخ‘ فرض نماز کے ساتھ نفل نماز اور روزوں کی تربیت‘ presentations کے ذریعے دعوت کی تربیت۔

(2) تعلیم القرآن و حدیث کورس (ہفتہ میں 3 دن‘ پیر تا بدھ) دورانیہ 2 سال‘ اوقات: 8 بجے صبح تا 2 بجے دوپہر

نصاب: قرآن (لفظی ترجمہ و تفسیر)‘ حدیث (بخاری)

(3) گھر بیٹھنے والی خواتین کے لیے Live Stream Classes (Internet),CD Classes,Online Classes کی سہولت

اگر آپ چاہتی ہیں کہ آپ خود یا آپ کی بیٹیاں‘ بہویں یا بہنیں تبلیغ دین میں باقاعدہ عملی کردار ادا کریں تو **النساء** کے کورسز join کر کے اس موقع سے فائدہ اٹھائیں۔ ہمارے ہاں روایتی مدارس سے ہٹ کر مندرجہ ذیل سہولتیں میسر کی جاتی ہیں:

- نہایت قابل اساتذہ جو صرف اعلیٰ دینی تعلیم ہی نہیں بلکہ اعلیٰ دنیاوی تعلیم سے بھی آراستہ ہیں۔ یہاں نہایت ہی پرخلوص‘ محنتی اور تربیت یافتہ اساتذہ کرام بہت محبت‘ شفقت اور جانفشانی سے آپ کو دینی تعلیم کے زیور سے آراستہ کریں گی۔
- کلاس روم جدید عصری تعلیمی اداروں کی طرح بہت کشادہ‘ روشن‘ ہوادار اور آرام دہ ہیں۔
- ادارے کا ماحول بہت ہی خوشگوار اور پرسکون ہے۔
- عالم اسلام کے جید علماء کی کتب کا مطالعہ کروایا جاتا ہے۔
- ہمارے ہاں فرقہ واریت سے پاک دینی تعلیم دی جاتی ہے۔
- باقاعدہ presentations کے ذریعے معلمات کو درس دینے کی مہارت اور confidence بھی دلایا جاتا ہے۔
- جدید سہولیات computers, projecters وغیرہ کے ذریعے تعلیم کو مؤثر بنایا گیا ہے۔
- بچیوں کو دنیاوی آداب اور سلیقہ سکھا کر ان کی grooming بھی کی جاتی ہے۔
- بچیوں کی سکیورٹی کے لیے CCTV Cameras اور بہترین Phoenix Security Alarm Systems کا بندوبست کیا گیا ہے۔
- ہاسٹل میں رہائش کی عمدہ‘ آرام دہ سہولیات اور قیام و طعام کا بندوبست ہے۔
- ٹرانسپورٹ‘ رہائش‘ قیام و طعام‘ کتب بالکل مفت ہے۔

ڈاکٹر زیبا وقار وڑائچ کی سو سے زائد موضوعات پر Audio,Video CD's دستیاب ہیں!

حقوق اللہ، حقوق العباد، حدود اللہ، معاشرتی مسائل، قصص القرآن، سیرت رسولؐ، زندگی بعد موت

قرآن: مکمل تفسیر و ترجمہ دو سالہ کورس، دورہ تفسیر قرآن حدیث: شرح صحیح بخاری

بمقام: قرآن ہاؤس 499-A ایڈن سٹی‘ نزد نیو ایئر پورٹ روڈ‘ لاہور

فون: 042-35695413 موبائل: 0336-4508935, 0332-4124737

ای میل: annisa.institute@hotmail.com ویب: www.annisa.com.pk

اسلام میں عورت کا مقام

راحیل گوہر

مقامی اخبار کی ایک رپورٹ کے مطابق جمہوریت کے بہت بڑے علمبردار پڑوسی ملک بھارت میں ایک ہندو خاتون نے پانچ سگے بھائیوں سے شادی کر لی۔ تفصیل میں بتایا گیا ہے کہ راجو ورما نامی عورت کو ہر سال اپنے ایک دیور سے شادی پر مجبور کیا گیا' جب کہ اس کی ماں بھی تین شوہروں کی چاکری کرتی تھی۔ تنگ دستی کے سبب بنگلور' اتر پردیش' ہماچل پردیش' اتراکھنڈ اور ہریانہ میں قدیم ہندو روایت ''بہودھارن'' (یعنی سگے بھائیوں سے مشترکہ شادی کرنا) کی رسم عام ہے۔ مبینہ خاتون کا نیا شوہر اس کا پانچواں دیور ہے' جس کی عمر اٹھارہ برس ہے۔

ہمارے اپنے ملک میں بھی وٹہ سٹہ' ونی' قرآن سے شادی' قتل و غارت گری کے ازالے کے طور پر کمسن بچیوں کو ادھیڑ عمر اور بوڑھے مردوں سے بیاہ دینا' اور کبھی کاروکاری کی ظالمانہ رسم کے طور پر عورتوں کو انتقامی کارروائیوں کا نشانہ بنانے کی خبریں ملک کے اخبارات میں روزانہ پڑھنے کو ملتی ہیں۔ کئی گھرانوں میں عورت کو صرف اس وجہ سے لعن طعن کیا جاتا ہے کہ وہ اپنے ساتھ ڈھیر سارا جہیز نہیں لائی ہے تو کہیں محض اس وجہ سے نوبت طلاق تک پہنچ جاتی ہے کہ عورت نے بیٹی کیوں پیدا کی۔ گویا ہر پہلو سے بیچاری عورت ہی ظلم و زیادتی کا نشانہ بنتی ہے۔

تاریخ عالَم کا مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ اسلام کے سوا باقی مذاہبِ عالَم میں عورت کی حیثیت ایک جانور سے زیادہ نہیں رہی۔ عیسائیت کے قدیم پیروکاروں کی نظر میں عورت کو گناہ کی پوٹ' گندی شے اور نجس وجود سمجھا جاتا تھا۔ شادی شدہ ہونا انتہائی مکروہ فعل تھا۔ رہبانیت اسی فکر کی ایک عملی صورت ہے۔ پندرہویں صدی عیسوی میں حضرت مسیحؑ کے نام پر نو لاکھ مسیحی عورتوں کو زندہ جلا دیا گیا۔ سلطنتِ روما کے دور میں سزا کے طور پر عورتوں کو درخت سے لٹکا کر ان کے پیروں کے نیچے آگ جلا دی جاتی' ان کے بدن پر اُبلتا ہوا تیل ڈالا جاتا۔ اسی طرح کے نت نئے بہیمانہ طریقوں سے ان کو جسمانی اذیتیں دی جاتیں اور یہ ان کے محض عورت ہونے کی پاداش میں ہوتا تھا۔

یہودی معاشروں میں عورت کی حیثیت ایک لونڈی اور کنیز کی طرح سے تھی۔ وہ مردوں کے پیر کی جوتی سمجھی جاتی تھی۔ اسی طرح ہندو دھرم میں عورت مرد کی داسی اور غلیظ چیز شمار ہوتی تھی۔ اسے اپنے شوہر کی چِتا کے ساتھ ''ستی'' ہونا پڑتا اور اس کو اپنے مردہ پتی (شوہر) کے ساتھ زندہ ہی جلا دیا جاتا۔ ہندو دھرم میں کوئی خوش قسمت ستی ہونے یعنی جلنے سے بچ جاتی تو سماج میں اس کی ذات ڈھور ڈنگروں سے بھی بدتر ہوتی۔ بیوہ عورت کے سر کے بال مونڈ دیے جاتے' اس کو ایک اچھوت سمجھا جاتا' خوشی کی ہر محفل سے اسے منحوس سمجھ کر دور رکھا جاتا۔ اہلِ عرب تو بیٹی کو اپنے لیے باعث ننگ و عار سمجھتے تھے۔ کسی کے گھر بیٹی پیدا ہو جاتی تو وہ شرم کے مارے لوگوں سے منہ چھپاتا پھرتا اور موقع پاتے ہی رات کے کسی پہر میں بیٹی کو زندہ ہی دفن کر آتا۔

ہر ظلم کی ایک انتہا ہوتی ہے' کوئی شب ایسی نہیں جس کی سحر نہ ہو۔ قدرت لیل و نہار کی گردشیں' وقت اور حالات کی کیفیات کو بدل کر رہتی ہے۔ زندگی اسی دھوپ چھاؤں کا نام ہے۔ کون شقی القلب ہے اور کون نرم خو' انسانی تاریخ کے صفحات یہ سب کچھ رقم کرتے رہتے ہیں۔ آخر کار ظلم و بربریت' تشدد اور ایذا رسانی کے یہ گھرے سیاہ بادل چھٹ ہی گئے۔ اب سے ڈیڑھ ہزار برس قبل اسلام کا چمکتا اور دمکتا آفتاب طلوع ہوا تو جبر و استبداد کی دبیز چادر تار تار ہو گئی اور عالم انسانیت کے لیے گل رنگ سویرا اجالوں کا مژدہ لیے چہار سو پھیل گیا۔ ایک طرف انسان کی زندگی کے دیگر شعبوں میں انقلابی تبدیلیاں واقع ہوئیں تو دوسری جانب قہر و غضب اور ناانصافی کی چکی میں پستی عورت کو بھی عزت و تکریم اور تقدس و احترام عطا ہوا۔ اسلام نے اس امر پر زور دیا کہ عورت کو بھی مردوں کی طرح جذبات و احساسات کی حامل ہستی سمجھا جائے' اس لیے کہ چند استثنائی امور کے علاوہ انسانیت کے اعتبار سے عورت اور مرد میں کوئی امتیاز نہیں۔ اس طرح اسلام نے حقوق و فرائض میں مساوات قائم کر دی۔

اسلام نے عورت کو قعرِ مذلت سے نکال کر عملاً معاشرے کی قابل احترام ہستی بنا کر پیش کیا۔ اسے ماں' بہن' بیٹی اور بیوی جیسے مقدس اور قابلِ عزت رشتوں کے بندھن میں باندھا۔ قرآنی تعلیمات' احادیثِ نبوی اور خود رسول اکرم ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں اس کی قابل تقلید مثالیں موجود ہیں۔ اسلام عورت پر ظلم و زیادتی سے منع کرتا ہے۔ اسلام نے بیٹی کے قتل کی سختی سے ممانعت کی اور اس کی شفقت آمیز پرورش' تعلیم و تربیت' انصاف پروری اور بلوغت کے بعد خوش اسلوبی سے نکاح کر دینے کی تاکید فرمائی۔ اس کے علاوہ جائیداد میں اس کا حصہ اور شوہر پر مہر کی ادائیگی کو واجب قرار دیا۔ شوہر پر اس کا نان و نفقہ اور رہائش کا مکمل انتظام

کرنے کی ذمہ داری ڈالی۔ بیوی کے ساتھ محبت آمیز رویہ اور اس کے میکے والوں کا عزت و احترام‘ یہ تمام احکامات اسی لیے دیے گئے کہ انسانیت کی سطح پر عورت مرد کے مساوی ہے۔

رسول اکرم ﷺ نے اپنے الوداعی خطاب میں عورتوں کے بارے میں خصوصی طور پر فرمایا: ’’اے لوگو! عورتوں کے معاملے میں اللہ سے ڈرو کیوں کہ وہ تمہاری دست نگر ہیں‘ وہ اپنے لیے کوئی اختیار نہیں رکھتیں۔ ان کا تم پر حق ہے اور تمہارا ان پر کہ وہ تمہارے علاوہ کسی کو تمہارے بستر پر نہ آنے دیں اور کسی ایسے شخص کو تمہارے گھر میں نہ آنے دیں جس کو تم ناپسند کرتے ہو۔ ان کی نافرمانی پر ان کو نصیحت کرو‘ تم نے ان کو اللہ کی امانت کے طور پر حاصل کیا ہے اور ان کی ناموس کو اللہ کے نام پر حلال کیا ہے۔‘‘

اس بے مثال خطبے میں عورت کے اصل مقام کو واضح کر دیا گیا ہے‘ مگر افسوس کہ فکری انحطاط اور دین سے دوری کے سبب جہاں دیگر احکامِ الٰہی اور قرآن کی تعلیمات سے روگردانی مسلمانوں کا وطیرہ بن گیا ہے‘ وہاں عورتوں کے حقوق کا صحیح شعور بھی ختم ہو چکا ہے اور مختلف حیلے بہانوں سے عورتوں کے جائز حقوق کی پامالی ہو رہی ہے۔

اس حقیقت سے بھی نظریں نہیں چرائی جاسکتیں کہ موجودہ دور کی عورت نے اسلام کے دیے ہوئے عزت و تکریم کے مقام کو خود اپنے ہاتھوں سے کھو دیا ہے۔ مغرب کے حقوقِ نسواں اور عورت کی آزادی کے نام پر پھیلائے ہوئے جال میں پھنس کر آج کی عورت نے چادر اور چار دیواری کے تقدس کو اپنے ہاتھوں پامال کیا ہے۔ اسلام نے عورت کو گھر کے معمولات کی ذمہ داری سونپی تھی مگر اس نے اپنے بچوں کی تربیت‘ شوہر کی خدمت اور امورِ خانہ داری کو اپنے لیے قید و بند کی زندگی سمجھا اور خود کو چراغِ خانہ سے شمعِ محفل بنا لیا۔ دورِ جدید کے گلیمر نے عورت کی نگاہوں کو چکا چوند کر دیا ہے اور وہ اچھائی اور برائی کی تمیز ہی کھو بیٹھی ہے۔ اسلام نے عورت کو جس مقام و حیثیت اور خاندان‘ معاشرے اور تمدن میں اس کے کردار سے متعلق جو اعلیٰ و ارفع اصولوں‘ تعلیمات اور قوانین سے نوازا تھا‘ عورت نے اسے قابلِ اعتناء ہی نہ سمجھا بلکہ ان اعلیٰ قدروں کو غیر معتبر جانتے ہوئے انہیں حقیر و کمتر سمجھ لیا۔

تعلیمِ نسواں جو نہ صرف عورت کے اپنے کردار و عمل کی درستگی کے لیے بلکہ تربیتِ اولاد کے لیے بھی لازمی چیز ہے‘ اسے بھی دورِ جدید کی فکری گمراہی نے نئی راہ سجھا دی۔ اب عورت کے حصولِ تعلیم کے مقصد کو مادی منفعت‘ معاشی خوش حالی اور اقتصادی استحکام کا رنگ دیا جا رہا ہے۔ اس کی ذہن سازی کچھ یوں کی جا رہی ہے کہ اب عورت کا اپنے پیروں پر کھڑا ہونا اور

اپنی کفالت خود کرنا وقت کا اہم تقاضا ہے۔ چنانچہ عورت نے گھر کو خیر باد کہہ دیا اور یہ حقیقت ہے کہ عورت ایک بار گھر سے باہر نکل جائے تو پھر اسے واپس لانا آسان نہیں ہوتا۔ سوویت یونین کے آخری صدر میخائل گورباچوف نے اپنی کتاب ’’پروسٹرائیکا‘‘ میں لکھا ہے:

’’ہماری مغرب کی سوسائٹی میں عورت کو گھر سے باہر نکالا گیا‘ اور اس کو گھر سے باہر نکالنے کے نتیجے میں بے شک ہم نے کچھ معاشی فوائد حاصل کیے اور پیداوار میں کچھ اضافہ بھی ہوا‘ اس لیے کہ مرد اور عورت دونوں کام کر رہے ہوں تو مادی فوائد تو یقیناً حاصل ہوں گے۔ لیکن اس مادّی ترقی اور خوشحالی کے نتیجے میں ہمارا خاندانی نظام (family system) تباہ و برباد ہو گیا‘ اور خاندانی نظام کی اس تباہی سے جو نقصانات اٹھانے پڑے ہیں وہ نقصانات ان فوائد سے کہیں زیادہ ہیں جو پیداوار (production) کے نتیجے میں ہمیں حاصل ہوئے۔ لہٰذا میں اپنے ملک میں ’پروسٹرائیکا‘ کے نام سے ایک تحریک شروع کر رہا ہوں‘ جس کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ عورت جو گھر سے باہر نکل چکی ہے اسے گھر میں واپس کیسے لایا جائے؟ ورنہ جس طرح ہمارا فیملی سسٹم تباہ ہو چکا ہے‘ اسی طرح ہماری پوری قوم تباہ و برباد ہو جائے گی۔‘‘

خاندان ایک ایسے خطِ مستقیم کا نام ہے جس کے ایک سرے پر مرد اور دوسرے سرے پر عورت کھڑی ہوتی ہے۔ ان دونوں انتہاؤں کے بیچ میں جو خلا (space) ہے‘ وہ تمام رشتے ناتوں‘ مرد و عورت کی ذمہ داریوں‘ شوہر و بیوی کے اختیارات‘ حقوق و فرائض کے تعین اور مرد و عورت کے کردار و عمل کی حدود سے پُر ہے۔ یہ تمام حیثیتیں تسبیح کے دانوں کی طرح ہیں کہ اگر اس کی ڈور ٹوٹ جائے تو پورے کے پورے دانے بکھر جاتے ہیں۔ اسی طرح مرد یا عورت اپنی صحیح حیثیت اور اپنے اصل مقام کو چھوڑ کر کسی گمراہ کن فلسفے سے متاثر ہو کر یا اپنے خود ساختہ نظریات کی تکمیل میں اپنی راہ کھو بیٹھے تو اس کی بربادی کو کوئی نہیں روک سکتا۔

دورِ جدید کی مرعوب زدہ عورت نے اسلام کے دیے ہوئے سنہری اصولوں اور بہترین تعلیمات کو ٹھوکر مار دی ہے اور گلیمر کی دنیا کو اپنے لیے چُن لیا ہے‘ اسی لیے آج اس کی حیثیت ایک شوپیس سے زیادہ نہیں رہی ہے۔ جدید فیشن کو اپنا کر اور زیادہ سے زیادہ بے لباس ہو کر بازاروں‘ دفاتر اور مخلوط محفلوں کی زینت بننا وہ اپنے لیے قابلِ فخر سمجھتی ہے۔ ڈراموں‘ فلموں اور فیشن شوز میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا اور مردوں کی ہوسناک نظروں کو تسکین دینا اور خود کو ایک کامیاب فنکارہ سمجھنا‘ ایک فریب اور دھوکے کے سوا کچھ نہیں۔ وہ مردوں کے ہاتھوں میں کھلونا

بن کر رہنے ہی میں خوش ہے۔ مسلمان عورتوں کو آزادیٔ نسواں کا خوش کن فریب دے کر گھروں سے نکالا ہی اس لیے گیا ہے کہ ایک طرف مسلمانوں کے مستحکم خاندانی نظام کی جڑوں پر تیشہ چلایا جائے اور دوسری طرف ملٹی نیشنل اداروں کی مصنوعات کی فروخت میں زیادہ سے زیادہ اضافہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ مارکیٹ میں آنے والی کوئی چیز ایسی نہیں ہوتی جس کی تشہیر میں عورت اپنی پوری حشر سامانیوں کے ساتھ جلوہ آرا نہ ہو' خواہ وہ پروڈکٹس مردوں (gents) کے استعمال کی کیوں نہ ہوں۔ عورت کی اسی مادر پدر اور خود ساختہ آزادی نے پروڈکشن کی دنیا سے آگے بڑھ کر اسے جنسی مزدور (sex workers) کی دنیا تک پہنچا دیا ہے۔ ایک مسلمان عورت کے لیے اس سے بڑی ذلت اور گراوٹ کیا ہو سکتی ہے کہ جس دین نے اسے معاشرے اور خاندان میں ماں' بہن' بیٹی اور شریک حیات جیسے مقدس' محترم اور عزت و تکریم کے رشتوں اور ناتوں سے نوازا تھا' آج یہ بھٹکی ہوئی عورت ان رشتوں کی پاکیزگی کو بھلا کر خود کو اشتہاری اور بازاری جنس بنا بیٹھی ہے۔

وقت کے اہم' نازک اور زیر بحث موضوع پر مطالعہ کیجیے

بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمدؒ کی اہم تالیف

اسلام میں عورت کا مقام

جس میں مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کا مقالہ

عورت اقبال کے کلام میں

اور چند دیگر مقالات بھی شامل ہیں۔

قیمت: اشاعت خاص: 100 روپے' اشاعت عام: 60 روپے

بقیہ : عرضِ احوال

بہر حال امریکہ' مغرب اور اسرائیل نے مصر میں اخوان کی حکومت کے خلاف سازشوں کا آغاز کیا اور سیکولر طبقہ کو ناجائز طور پر سپورٹ کیا۔ اسرائیل نے بہت بڑی تعداد میں اپنے ایجنٹوں کو مصر میں داخل کر دیا اور وہاں کے سیکولر طبقہ سے مل کر صرف ایک سال پہلے قائم ہونے والی اخوان حکومت کے خلاف مظاہرے شروع کر دیے۔ مصری عوام اور الاخوان المسلمون نے صدر مرسی کے حق میں اس سے کہیں بڑے جوابی مظاہرے کیے' لیکن مغربی میڈیا نے صرف ان کے خلاف ہونے والے مظاہروں کی کوریج دی اور صدر مرسی پر جھوٹے اور بے بنیاد الزامات لگانے کا ایک سلسلہ شروع کر دیا۔ مصر میں موجود امریکی سفیرہ این پیٹرسن جو دوسرے ممالک میں فساد برپا کرنے کی ماہر ہیں' انہوں نے صدر مرسی کے خلاف کلیدی رول ادا کیا۔ صدر مرسی سے آخری ملاقات اسی سفیرہ نے کی' جس میں فوج کے کمانڈر انچیف عبدالفتاح السیسی بھی موجود تھے' جس میں این پیٹرسن نے صدر مرسی کو تجویز پیش کی کہ اگر وہ اپنے تمام اختیارات وزیر اعظم کو سونپ دیں تو انہیں صدر برقرار رکھا جا سکتا ہے' جسے صدر مرسی نے مسترد کر دیا' کیونکہ یہ بات سراسر خلافِ آئین تھی۔

اس سارے کھیل میں امریکہ' جو جمہوری روایات اور آئین کی پابندی کو حکومتوں کے لیے لازم قرار دیتا ہے اور دنیا بھر میں اس کے لیے جہاد کرتا ہوا نظر آتا ہے' کی منافقت اور دوعملی بالکل واضح ہو جاتی ہے۔ بہر حال اہل مغرب نے مقامی غداروں کی ملی بھگت سے منتخب حکومت کا تختہ الٹ دیا۔ سب سے زیادہ تکلیف دہ اور مایوس کن بات یہ ہے کہ اس کارِ بد میں اہلِ مغرب کو سعودی عرب اور عرب امارات کی نہ صرف مکمل حمایت حاصل تھی' بلکہ جس مصری فوج نے اسلام کی طرف پیش رفت کرنے والی اخوان حکومت کے خلاف بغاوت کی اور اس کا تختہ الٹا' اس کی مکمل طور پر معاونت کی اور اب حکومتی معاملات چلانے کے لیے فوجی حکومت کو بارہ ارب ڈالر دیے' جب کہ اخوانی حکومت کی امداد مکمل طور پر بند کر دی گئی تھی۔

فوجی حکومت کے اس غیر آئینی' غیر قانونی اور غیر اخلاقی اقدام کے خلاف مصری عوام نے پُر امن مظاہرہ کیا اور دھرنا دیا۔ یہ عوامی دھرنا اتنا بڑا تھا کہ میڈیا کے کیمرے اس کو ایک وقت میں کور نہیں کر پا رہے تھے۔ ظالم اور درندہ صفت فوجیوں نے اس پُر امن مظاہرے پر ٹینک چڑھا دیے اور وہ مصری فوجی جو ہمیشہ اسرائیل کے سامنے بھیگی بلّی بن جاتے ہیں انہوں

نے مصری نوجوانوں کے سروں اور سینوں پر تاک تاک کر گولیاں برسائیں۔ اطلاعات کے مطابق تین ہزار کے قریب مصری جوان اس کارروائی میں شہید ہوئے۔ درندگی کا یہ عمل آخری اطلاعات تک جاری تھا۔ ہزاروں شہریوں کو گرفتار کر لیا گیا ہے اور مصر ایک بار پھر جدید دور کے فرعونوں کے قبضہ میں چلا گیا ہے۔ دن رات عوام کے قتل و غارت کا سلسلہ جاری ہے۔ اس پر یہودی خوشی سے جھوم رہے ہیں کہ انہیں گریٹر اسرائیل کا خواب شرمندۂ تعبیر ہوتا نظر آ رہا ہے۔

ہماری تمام تر ہمدردیاں اپنے اخوان بھائیوں سے ہیں۔ اسی محبت اور اخوت کے جذبہ کے تحت جب ہم ان لامتناہی اور مسلسل قربانیوں کا جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں محسوس ہوتا ہے کہ اگرچہ ان کی نیک نیتی اور خلوص شک و شبہ سے بالاتر ہے، لیکن انسان غلطی کا پتلا ہے اور کہیں نہ کہیں اسے ٹھوکر لگتی ہے۔ مؤمن صادق کا کام یہ ہے کہ اپنی غلطیوں سے سبق سیکھے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ الاخوان المسلمون کو ۱۹۵۲ء میں شاہ فاروق کے خلاف کارروائی میں فوج کا کسی صورت ساتھ نہیں دینا چاہیے تھا، بلکہ اسی طرح حسن البناء کے انداز میں دعوت و تربیت کا سلسلہ جاری رکھنا چاہیے تھا۔ علاوہ ازیں یہ بھی فراموش نہیں کرنا چاہیے تھا کہ نظام کبھی جمہوری عمل سے اور انتخابات میں حصہ لے کر نہیں بدلا جا سکتا۔ اس لیے کہ ''سٹیٹس کو'' قائم رکھنے والی قوتیں انتخابات میں شکست کھا کر وقتی طور پر کمزور ہو سکتی ہیں لیکن ختم نہیں ہوتیں اور موقع پانے پر جوابی حملہ کرتی ہیں۔ جیسا کہ مصر میں فوج، عدلیہ اور میڈیا نے کیا، جب کہ انقلابی عمل سے نظام بدلا جائے تو پہلے انقلاب دشمن قوتوں کا سر کچلا جاتا ہے اور وہ فوری طور پر جوابی کارروائی نہیں کر سکتیں جس سے فائدہ اٹھا کر انقلاب خود کو مستحکم کر لیتا ہے۔ الجزائر ہو یا حماس یا مصر، جوابی کارروائی سے اسلامی قوتوں کو پسپا ہونا پڑا۔ ایران سے ہمارا بہت معاملات میں اختلاف ہو سکتا ہے لیکن بہرحال وہاں انقلاب کے ذریعے نظام بدلا گیا، لہٰذا وہاں جوابی کارروائی ممکن نہیں ہو سکی اور ابھی تک وہی انقلابی قوت برسرِ اقتدار ہے۔

مصر کی موجودہ تشویشناک صورتِ حال اُمتِ مسلمہ کے لیے بہت بڑا لمحۂ فکریہ ہے اور اس سنگین مسئلے پر نہایت سنجیدگی سے غور و خوض کی ضرورت ہے۔

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث نبویؐ آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور دعوت و تبلیغ کے لیے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے۔ لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور
کے زیرِ اہتمام

داخلے جاری ہیں

رجوع الی القرآن کورسز (پارٹ I اور II)

جاری کردہ ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

یہ کورسز بنیادی طور پر تعلیم یافتہ افراد کے لیے ترتیب دیے گئے ہیں، تاکہ وہ حضرات جو کم از کم انٹرمیڈیٹ کی سطح تک اپنی دنیاوی تعلیم مکمل کر چکے ہوں اور اب بنیادی دینی تعلیم بالخصوص عربی زبان سیکھ کر فہم قرآن کے حصول کے خواہش مند ہوں، ان کورسز کے ذریعے ان کو ایک ٹھوس بنیاد فراہم کر دی جائے۔ ہفتے میں پانچ دن روزانہ صبح کے اوقات میں تقریباً پانچ گھنٹے تدریس ہوگی۔ ہفتہ وار تعطیل ہفتہ اور اتوار کو ہوگی۔

نصاب (پارٹ I)

1. عربی صرف و نحو
2. ترجمۂ قرآن
3. آیاتِ قرآنی کی صرفی و نحوی تحلیل
4. قرآن حکیم کی فکری و عملی راہنمائی
5. تجوید و ناظرہ
6. مطالعۂ حدیث و فقہ العبادات
7. اصطلاحاتِ حدیث
8. اضافی محاضرات

نصاب (پارٹ II)

1. مکمل ترجمۃ القرآن (مع تفسیری توضیحات)
2. مجموعۂ حدیث
3. فقہ
4. اصولِ تفسیر
5. اصولِ حدیث
6. اصولِ فقہ
7. عقیدہ
8. عربی زبان و ادب
9. اضافی محاضرات

- کلاسز کا آغاز 2 ستمبر سے ہو رہا ہے
- خواہش مند خواتین و حضرات داخلہ کے لیے رابطہ کر سکتے ہیں
- پارٹ II میں خواتین کی شرکت کا انتظام نہیں ہے

نوٹ: پارٹ I میں داخلے کے لیے انٹرمیڈیٹ پاس ہونا اور پارٹ II میں داخلے کے لیے رجوع الی القرآن کورس (پارٹ I) پاس کرنا لازمی ہے

برائے رابطہ: قرآن اکیڈمی
36-K ماڈل ٹاؤن لاہور
فون: 35869501-3
email:irts@tanzeem.org

ندیم سہیل
0322-4371473